ماہنامہ محدث بنارس

شمارہ/١٢	ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ	دسمبر ۲۰۰۸ء	جلد/ ٢٦

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱جی، ریوڑی تالاب

وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک

سالانہ ۱۲۰/ روپے

فی پرچہ ۱۲/ روپے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوچکی ہے۔

اس شمارہ میں

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

اسلام برہان اور دلائل کا مذہب ہے

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (یوسف:۱۰۸)

آپ کہہ دیجئے میری راہ یہی ہے، میں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں (میری یہ دعوت) پورے یقین اور دلائل کے ساتھ ہے، یہی دعوت میری بھی اور میرے پیروکار کی بھی ہے اور اللہ (ہر طرح کے شریک اور مثیل اور نظیر سے) پاک ہے، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

اللہ کے نبی محمد ﷺ نے نبوت سے پہلے مکہ میں چالیس سال گزارے، مکہ والے اکثر مشرک تھے، کعبہ میں ہر کام کے لئے الگ الگ، اور الگ الگ قبیلہ کے بت تھے، مگر سب اس بات کو بھی مانتے تھے کہ پریشانی میں یہ بت نہیں اللہ ہی کام آتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی کئی آیتوں میں اس کی وضاحت ہے۔

اللہ کے نبی محمد ﷺ ان حالات کو دیکھ رہے تھے، فطری طور پر آپ بلند اخلاق پر فائز تھے اور مکہ والوں کے حالات پر غور کر رہے تھے، اسی فکر اور سوچ نے آپ کو غار حرا میں پہنچایا، جس جگہ پر اللہ نے اپنے فرشتہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ آپ پر قرآن مجید کی آیات نازل فرمائی اور آپ نے نبوت ملنے کے بعد تبلیغ شروع کی، اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو مضبوط کرنے کے لئے آسمانوں کی بھی سیر کرائی اور اپنی قدرت کی نشانیاں بھی دکھائی۔

آپ کے پیروکار یعنی صحابہ کرام بھی آپ کے اخلاق سے باخبر تھے، آپ کو مسلمان ہی نہیں بلکہ مکہ کا کافر ومشرک اور آپ کا جانی دشمن بھی سچا اور امانت دار تسلیم کرنے میں ذرا بھی جھجھک محسوس نہ کرتا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے معراج کے واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک کافر سے کہا تھا کہ جس شخص نے آج تک کسی کے بارے میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو وہ اللہ کے بارے میں کیسے جھوٹ بول سکتا ہے، اگر آپ یہ فرمارہے ہیں کہ میں آسمانوں کی سیر کرکے آرہا ہوں تو میں پورے اعتماد سے اس سچائی کی تصدیق کرتا ہوں۔

اسلام کی تعلیمات برہان اور دلائل پر مبنی ہیں، یہ صرف آستھا اور عقیدت کا دین نہیں ہے، بلکہ ہر عبادت اور حکم ٹھوس دلیل کی بنیاد پر ایک مکمل صورت اور طریقہ پر پایا جاتا ہے۔

یہ آیت کریمہ ہر شخص کے لئے چاہے وہ عالم دین ہو یا عام مسلمان ایک بنیادی اصول کی طرف نشاندہی کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم جب بھی دین کی بات کریں، مذہب اسلام کی بات کریں، اسلام کے کسی اصول کی بات کریں، اسلام کے کسی مسئلہ کی بات کریں یا کسی مسئلہ میں فتوی کی بات کریں تو وہ علی وجہ البصیرۃ ہونی چاہئے یعنی پورے یقین اور دلائل کی بنیاد پر ہو۔

اور اگر ہم کو یقینی دلائل معلوم نہ ہوں تو پورے اعتماد سے کہہ دینا چاہئے کہ لا أدری میں نہیں جانتا۔

یہی صحابہ کرام کا شیوہ تھا، یہی ائمہ دین کا طریقہ تھا، یہی فقہاء عظام کا وطیرہ تھا، اور یہی اسلام کی سربلندی اور کامرانی کا راز تھا، کاش ہمارے علماء اور ہمارے مسلمان بھائی اس کی نزاکت کو سمجھنے لگیں۔ اسی میں ہمارے قوم کی عزت اور اسلام کی سربلندی ہے۔ ☆

درس حدیث:۱۱۹

حج بدل کی شرط

تحریر: مولانا عبدالسلام مدنی / استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

عن ابن عباس، قال: إن رسول الله ﷺ سمع رجلا يقول: لبيك عن شبرمة. قال: من شبرمة؟ قال: أخ لي أو قريب لي. قال: أحججت عن نفسك؟ قال: لا. قال: حج عن نفسك ثم حج عن شبرمة. رواه الشافعي وأبوداود وابن ماجه. (مشكاة ج ١، ص ٢٢٢)

قال المباركفوريؒ: فتحصل من هذا كله: أن الحديث حسن، أو صحيح، صالح للاحتجاج. (مرعاة ج٨، ص ٤١٢)

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو سنا کہ وہ "لبیک عن شبرمة" کہہ رہے ہیں، یعنی میں حج وعمرہ کرنے شبرہ کی جانب سے حاضر ہوں۔ آپ نے دریافت فرمایا یہ شبرمہ کون ہیں؟ جواب دیا کہ وہ میرے بھائی یا قریبی ہیں۔ آپ نے پھر پوچھا کیا تو نے اپنا حج کیا ہے؟ جواب دیا: نہیں۔ آپنے ارشاد فرمایا: پہلے اپنا حج کرو پھر شبرمہ کی جانب سے حج ادا کرنا۔ (ابوداود، ابن ماجہ وغیرہ، حدیث حسن، اَو صحیح)

تشریح: حج اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے، ہر صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک بار فرض ہے، اور یہ ایسی عبادت ہے کہ عذر کی صورت میں اگر کوئی دوسرا بھی اسے ادا کردے تو ادا ہوجاتی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے آپ سے استفسار کیا کہ "إن فريضة الله على عباده فى الحج أدركت أبى شيخا كبيرا لا يثبت على الراحلة، أفأحج عنه؟ قال: نعم. وذلك فى حجة الوداع. متفق عليه۔ (مرعاۃ ج۸، ص۳۲۸) کہ "اللہ تعالی کا فریضۂ حج میرے والد پر عائد ہوگیا ہے، وہ بہت بوڑھے ہیں، سواری پر بیٹھ نہیں سکتے، کیا میں ان کی جانب سے حج ادا کردوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے۔ (جبکہ آپ ۱۰ ذی الحجہ کو مزدلفہ سے منی جارہے تھے اور وہ عورت آپ کے ساتھ حج میں تھی)۔ (بخاری ومسلم)

اور ایک دوسری روایت میں ایک مرد نے اپنی بہن کی وفات کے بعد اس کی نذر حج کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: لو كان عليها دين أكنت قاضيه ؟ قال: نعم. قال: فاقض دين الله فهو أحق بالقضاء. متفق عليه۔

(مرعاۃ ج۸، ص۳۳۰)

یعنی اگر تمہاری بہن پر کوئی قرض ہوتا تو کیا اسے ادا کرتے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا تو اللہ کا قرض ادا کرو وہ ادائیگی کا زیادہ حقدار ہے۔ (بخاری ومسلم)

شبرمہ والی حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ حج بدل کرنے کی شرط ہے کہ آدمی اپنا حج کرچکا ہو۔

رب العالمین! امت کو جملہ ارکان اسلام ان کے آداب وشرائط کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عنایت فرما، آمین۔

☆☆☆

افتتاحیہ

حج اور عید قرباں

تحریر ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری

عرب کے سوز میں ساز عجم ہے
حرم کا راز توحیدِ اُمم ہے
تہی وحدت سے ہے اندیشۂ غرب
کہ تہذیبِ فرنگی بے حرم ہے!

یہ ذیقعدہ کا مہینہ ہے، اللہ کے نیک بندوں میں قسمت نے جن کی یاوری کی وہ کشاں کشاں ارضِ پاک کی طرف جارہے ہیں، جو مسافت پہلے ہفتوں اور مہینوں میں طے ہوتی تھی، اب صرف چند گھنٹوں میں طے ہوجاتی ہے، اور حجاجِ کرام عزم وحوصلہ کی تازگی کے ساتھ سرزمینِ حرم پر اتر جاتے ہیں، اس وقت میں دل ودماغ اور احساس وشعور کی جو کیفیت ہوتی ہے اس کی تصویر الفاظ کے ذریعہ مشکل ہے۔ اللہ کے بندوں کی جماعت ندائے براہیمی پر لبیک کہتے ہوئے اللہ کے گھر کو جارہی ہے، حرمِ مکی میں پہنچ کر اس کی آنکھوں کے سامنے کعبہ شریف ہوگا جس کی طرف رخ کر کے اس نے اب تک نمازیں ادا کی تھیں، اب وہی کعبہ اس کی نظروں کے سامنے ہے، اس کا طواف ہوگا، دعائیں مانگی جائیں گی، اسلامی تاریخ کے واقعات ذہن میں آئیں گے، اور اللہ کے ان برگزیدہ بندوں پر درودوسلام پڑھا جائے گا جنھوں نے اس مبارک گھر کو تعمیر کیا، اور اسے اللہ کی توحید وعبادت سے آباد کیا، اور دنیا کو اطاعتِ الٰہی اور تقوی شعاری کا ایسا پیغام دیا جس سے دنیا والے آج بھی مستفید ہو رہے ہیں، حجاج کی جماعت ہر سال مکہ مکرمہ کی سرزمین پر اترتی ہے، اور دنیا کی آنکھیں ہر سال یہ منظر دیکھتی ہیں کہ اللہ کے بندے کس طرح اس کی عبادت کے لئے بیتاب نظر آتے ہیں!

حج اسلام کا پانچواں رکن اور اللہ تعالی کی اہم عبادت ہے، اس لئے اولین توجہ اس کی اسی تعبدی حیثیت پر ہونا چاہئے، دیگر پہلوؤں اور فائدوں کا انکار نہیں، لیکن سب کچھ تعبدی پہلو کے بعد ہے کہ دنیا میں جن وانس کے لئے یہی سب سے بڑا اعزاز ہے، مسلمان اور انسان اگر اس راز کو سمجھ لیں تو طاعتِ الٰہی میں ان سے کبھی سستی نہ ہو۔

حج کے موضوع پر آگے بڑھنے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اسلام نے جن عبادتوں کا حکم دیا ہے ان

میں ایک پہلو فضائل کا، دوسرا احکام و مسائل کا اور تیسرا اثرات ونتائج کا ہے۔مسلمانوں کا ایک گروہ آثار ونتائج کی بحث کو مستحسن نہیں سمجھتا، اور کہتا ہے کہ شریعت کے حکم کی تعمیل کے بعد کسی اور پہلو پر نظر کی ضرورت نہیں۔لیکن غور کیا جائے تو اثرات و نتائج کا پہلو بے سود نہیں، البتہ اس باب میں معقول کی بجائے منقول کی اہمیت ہے، قرآن وحدیث میں کسی حکم کی جو توجیہ ذکر کی گئی ہے، یا جو فوائد واثرات بیان کئے گئے ہیں، ان سے تجاوز کرنا مناسب نہیں، یہ ایسا مسئلہ نہیں جس میں وسیع طور پر ظن وتخمین کی اجازت دی جائے۔

قرآن وحدیث میں متعدد عبادتوں کے اثرات ونتائج کا ذکر ہے، اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ بندوں کو عبادات کی بجا آوری میں اخلاص اور اتباعِ سنت پر توجہ کے ساتھ ساتھ عبادت کے مقصد اور تاثیر پر بھی توجہ مرکوز رکھنا چاہئے۔نماز کے فوائد میں اگر برائی وبے حیائی سے روکنے والی بات کہی گئی ہے، روزہ کے مقصد میں تقوی کا ذکر ہے، زکوۃ کی تاثیر میں تطہیر وتزکیہ کی صراحت ہے، اور حج میں منافع کا پہلو مضمر ہے، تو اس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ عبادات کے مقصد اور تاثیر پر توجہ ضروری ہے۔

اثرات ونتائج پر شریعت کی نظر کیسی ہے اس کا اندازہ روزہ سے متعلق اس حدیث سے ہوتا ہے جس میں مذکور ہے کہ:
جو شخص جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑے، اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی اللہ تعالی کو کوئی ضرورت نہیں۔

معلوم ہوا کہ روزہ کے اثرات اگر انسان کی زندگی میں نمایاں نہ ہوں، اور اس کے کردار میں استواری نہ پیدا ہو نیز اللہ کا ڈر اس پر غالب نہ ہو تو محض کھنا پینا چھوڑنے سے اس عظیم عبادت کا مقصود حاصل نہ ہوگا، زندگی میں انضباط اور رضائے الٰہی کے لئے انسان کی تڑپ ہی اس عبادت کا مقصود ہے۔

جس حدیث کی بنا پر علماءِ کرام نماز میں تعدیلِ ارکان کے مسئلہ کو ثابت کرتے ہیں اس پر غور کرنے سے بھی مقصد وتاثیر کی بات واضح ہوتی ہے۔رسول اکرم ﷺ کے سامنے صحابی نے نماز ادا کی، آپ نے فرمایا کہ تم دوبارہ نماز پڑھو، تمہاری نماز ادا نہیں ہوئی، یہ عمل مکرر ہوا تو صحابی نے دریافت کیا کہ آخر کیا وجہ ہے؟ آپؐ نے وضاحت فرمائی کہ نماز کی ادائیگی میں ظاہری اعمال کی صحیح طور پر ادائیگی ضروری ہے، اسی طرح حضوری قلب اور خشوع وخضوع بھی ضروری ہے ورنہ عبادت کی روح ختم ہو جائے گی۔

قرآن کریم اور حدیث شریف میں جن مقامات پر حج کی عبادت کا بیان ہے اس پر غور کرنے سے زندگی میں اس عبادت کے دوررس اثرات کا اندازہ ہوسکتا ہے۔خصوصیت کے ساتھ سورۃ البقرۃ اور سورۃ الحج کی جن آیات میں اس عبادت کا ذکر ہے ان پر غور کرنے سے تاثیر کا پہلو واضح ہوگا، سب سے پہلے سورۃ البقرۃ کی آیات (۱۹۶-۲۰۳) کا مطالعہ کیجئے، اور دیکھئے کہ سیرت کی تعمیر اور کردار کے نکھار کے لئے کتنی بیش قیمت ہدایت موجود ہے۔ ۱۹۶ نمبر کی آیت کریمہ کا پہلا ہی جملہ بندہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ حج وعمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو، تمام عبادتوں کے اندر اسلام کو اخلاص وللّٰہیت کا جو جوہر مطلوب ہے

اسی کا اس میں مطالبہ ہے، یعنی نیکی کے ہر کام کا مقصود اللہ کی رضا ہو، حدیث شریف میں ریا کاری اور دکھاوے کی جو مذمت وارد ہے اسے سامنے رکھ کر آیت کریمہ کے مختصر جملہ پر غور فرمایئے تو نیک عمل کی برکت و بالیدگی کے سلسلہ میں اسلام کا فلسفہ واضح ہو جائے گا، اللہ کی رضا کے حصول اور زندگی میں کامیابی وکامرانی کے لئے اخلاص سے بڑھ کر کوئی اور چیز نہیں، قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ کی نصرت ومعیت کے لئے جتنے وعدے مذکور ہیں ان سب کے لئے اخلاص اولین شرط ہے، اس لئے جسمانی و مالی قربانی برداشت کر کے اللہ کے جو بندے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے جاتے ہیں انھیں جوہرِ اخلاص پر نظر رکھنا ضروری ہے، ان کے اس طویل سفر کا مقصد یہی ہونا چاہئے کہ اللہ ان سے راضی ہو جائے، اور وہ دین و دنیا کی کامیابیوں سے ہمکنار ہو جائیں۔ ہمارے ملک میں یہ ایک مستحسن طریقہ ہے کہ سفرِ حج پر نکلنے سے پہلے انسان اپنے اقرباء اور متعلقین سے مل کر دل کی صفائی کر لیتا ہے، اور تقصیرات کے لئے عفوو درگذر کی درخواست کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی اپنا معاملہ درست کر لینا ضروری ہے، اور اس سلسلہ میں سب سے مؤثر چیز نیت کا اخلاص ہے، اب بندہ کو اپنے عمل سے یہ ثابت کرنا ہے کہ حج کی عبادت سے اس کا مقصود صرف اللہ کی رضا ہے۔

مذکورہ آیت میں زیرِ نظر جملہ کے بعد حج سے متعلق احکام کا بیان ہے، ان احکام کی حکمت اور بیان کے اسلوب پر غور کیجئے تو اس مقصود کی جھلک نظر آئے گی جس کے لئے حج کی عظیم عبادت کو مشروع قرار دیا گیا ہے، اور اسلام کے ارکانِ خمسہ میں اس کا شمار ہوا ہے۔

مذکورہ آیت کے خاتمہ پر دو جملے وارد ہیں، پہلے جملہ میں اللہ سے ڈرنے کا حکم ہے، اور دوسرے جملہ میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کی سختی کا ایقان پیدا کرنے کا حکم ہے۔

حج کے بیان سے متعلق پہلی ہی آیت کے اختتام پر جن دو باتوں کا حکم دیا گیا ہے ان پر اگر بندے صحیح معنی میں توجہ دیں تو فکر وعمل کی دنیا میں ناہمواری پیدا ہونے کا کوئی سوال نہ ہوگا، تقوی کی زندگی اور حساب و کتاب کا یقین سیرت و کردار کی استواری کے لئے غیر معمولی ہے۔

اب مذکورہ سورت ہی کی دوسری آیت پر غور فرمایئے، یہاں پوری صراحت ہے تاکہ بندہ کو ادائیگی فرض کی راہ میں کسی طرح کا اشتباہ یا خلجان نہ ہو، ارشاد ہے کہ حج کے مہینے معلوم ومتعین ہیں، ان کے اندر جو بھی حج ادا کرنے کا ارادہ کر لے اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنی بیوی سے میل ملاپ نہ کرے، نہ برائی کا کوئی کام کرے، نہ کسی کے ساتھ جھگڑا تکرار کرے، تم جو بھلائی کروگے اس کا اللہ کو علم ہے، اپنے ساتھ سفر خرچ لے لو، سب سے بہتر توشہ تقوی ہے، عقلمندو! مجھ سے ڈرو۔

حج کا سفر دوسروں کے ساتھ اختلاط کا موقع ہے، اس لئے اس آیت میں اوامر ونواہی کا ایسا مجموعہ پیش فرمایا ہے کہ پھر

انسان کوکسی اور رہنمائی کی ضرورت نہ پیش آئے ،اسی کے بعد اللہ تعالیٰ کے وسع علم کا ذکر ہے تا کہ بندہ نیک عمل کے ثواب کے سلسلہ میں ہر طرح مطمئن ہو،قرآن میں بعض مقامات پر اس لئے ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ شانِ نزول سے واضح ہے کہ بعض لوگ سفر حج میں توشہ وسامان کے بغیر نکل جاتے تھے،ایسے لوگوں کو حکم دیا گیا کہ توشہ لے کر نکلو، یادرکھو کہ سوال سے بچنا بہترین توشہ ہے، آیت کے اختتام میں اہلِ دانش کو تقوی کا حکم دیا گیا۔ پہلے تو ''بہترین توشہ تقوی ہے'' کے جملہ پر غور فرمائیے کہ کیسے بلیغ اسلوب میں موقع سے متعلق ہدایت فرمادی، اور پھر ایسا جملہ ارشاد فرمایا جس کی معنویت لازوال ہے، یعنی ''بہترین توشہ تقوی ہے''۔تقوی کے حکم کے لئے عقلمندوں کو مخاطب کیا گیا ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ حکم ان ہی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر ایک اس کا مکلّف ہے، لیکن جہاں تک تقوی کی صفت سے مستفید ہونے کا تعلق ہے تو اس میں اہلِ دانش کا پلہ بھاری ہے۔

بعد کی آیت (۱۹۸) میں سفر حج میں تجارت کے جواز کا ذکر ہے، عبادت کے سفر میں بعض لوگ اس نوعیت کے مادی کام کو درست نہ سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی رہنمائی کی، اور فرمایا کہ حج کے سفر میں تجارت میں کوئی حرج نہیں۔

سفر حج کے موقع پر مسلمانوں کا جو عظیم اجتماع ہوتا ہے اس میں ہر پیشہ وصلاحیت کے لوگ ہوتے ہیں، اقتصاد و معاشرت کے ماہرین کی بھی معتد بہ تعداد موجود ہوتی ہے، مسلمانوں کے حوالہ سے آج اقتصاد کی طویل گفتگو ہوتی ہے، اور دنیا کے بعض بڑے ملک اپنی اقتصادی برتری کا سکہ جما کر کمزور ممالک پر ظلم کی راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں۔

کیا اس تناظر میں یہ بہتر نہ ہوگا کہ مسلم ماہرین اقتصاد حج کے موقع پر اپنا کوئی مشاورتی اجتماع منعقد کریں، اور ملتِ اسلامیہ کو درپیش تمام مسائل پر غور کریں تا کہ امت بڑی طاقتوں کی طرف سے ہونے والے استحصال سے نجات پا جائے، اور اسی طرح وہ ایک ایسا معاشرہ قائم کرلے جس میں لازمی طور پر محتاجوں، کمزوروں اور بے سہارا لوگوں کی خبر لی جائے، اوران کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کیا جائے؟

سورۃ البقرۃ کی آیات پر گفتگو ابھی ختم نہیں ہوئی ہے، بلکہ مناسکِ حج اور انسانی زندگی سے متعلق متعدد زریں نصیحتوں کا آگے کی آیات میں ذکر ہے، لیکن اب مناسب ہے کہ تھوڑی سی گفتگو اس مبارک گھر کی ہو جائے جو اسلامیانِ عالم کا قبلہ اور ہر حاجی کے سفرِ حج کی منزل ہے، اطرافِ عالم سے اسی گھر کا قصد کر کے حجاج آتے ہیں، اسی کا طواف کرتے ہیں، اور اسی کے اردگرد نمازیں ادا کرتے ہیں، مسجدِ حرام میں نماز وتلاوت وطواف سے وہ فارغ ہوتے ہیں تو سکون کے ساتھ بیٹھ کر اس گھر کا نظارہ کرتے ہیں، بظاہر بیت اللہ کی عمارت سادگی میں اپنی مثال ہے، اب تو اس کے قریب ہر طرف پرشکوہ وفلک بوس عمارتیں بن گئی ہیں، لیکن کیا بیت اللہ کی سادی عمارت پر دلوں پر جو اثر اور احترام ہے اس کا ادنیٰ حصہ بھی ان بلند وبالا عمارتوں کا حاصل

ہے؟ سچ پوچھئے تو ان عمارتوں کی قدر و قیمت بھی بیت اللہ کے جوار ہی سے حاصل ہے، آیئے دیکھیں کہ اس مقدس گھر سے متعلق قرآنِ کریم کا بیان کیا ہے، سورۂ آل عمران کی آیت (۹۶۔۹۷) پہلی آیت میں بیت اللہ کی عبادت کے مقصد سے لوگوں کے لئے تعمیر کیا جانے والا یہ پہلا گھر ہے۔ دوم یہ کہ برکت والا ہے۔ سوم یہ سارے جہان کے لئے ہدایت ہے۔ بعد کی آیت میں بھی تین صفات مذکور ہیں۔ اول یہ کہ اس گھر میں متعدد کھلی نشانیاں ہیں جن میں آئندہ کی دو صفات بھی داخل ہیں۔ دوم مقامِ ابراہیم، یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر کرتے تھے، اس پر معمارِ کعبہ علیہ السلام کے پیر کے نشان کو آج بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ سوم اس گھر میں داخل ہونے والا ہر شخص مامون ہو جاتا ہے۔

غور کیجئے، کائنات کی ہر چیز اللہ ہی کی ہے، وہی ہر ذرہ کا مالک و مختار ہے، پھر کعبہ کو ''اللہ کا گھر'' کہنے کا کیا راز ہے؟ اس نسبت سے درحقیقت اسی عظمت و شرف کو نمایاں کرنا ہے جو سنگلاخ وادیوں میں بنے اس متبرک گھر کو حاصل ہے، دوسری عمارتوں اور مکانات کو جس نے بھی بنایا ہو، لیکن اس مقدس اور تاریخی گھر کو ایسے دو پیغمبروں نے تعمیر کیا ہے جو توحید و طاعت، تسلیم و رضا اور ایثار و قربانی کا عنوان ہیں۔ اس گھر کے معمار ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام ہیں تو اسے اصنام و اوثان سے پاک کرنے والے محمد ﷺ ہیں، پھر یہاں طواف، رکوع اور سجدہ کرنے والے اللہ کے بے شمار بندے اور اس کے معصوم فرشتے ہیں، غور کیجئے کہ دنیا کا اور کون گھر ہوسکتا ہے جسے یہ عظمت و اہمیت حاصل ہے!

سورۃ البقرۃ کی آیت (۱۲۵) میں بیت اللہ کو لوگوں کے لئے ثواب کی یا لوٹ کر آنے کی جگہ بتایا گیا ہے، پھر ارشاد ہے کہ یہ امن کا مقام بھی ہے۔ غور فرمایئے کون ایسا مسلمان ہے جس کے دل میں بیت اللہ کو بار بار دیکھنے کی تمنا نہ ہو! آج کا سفر سہولت کا ہے، لیکن جب سفر پیدل یا معمولی سواری کا تھا، اور راستہ میں ہر طرح کا خطرہ اور مشقت تھی تو کیا کسی نے بتایا کہ بیت اللہ کا حج بند ہو گیا تھا؟ سورۃ ابراہیم کی آیت (۳۷) میں ابراہیم علیہ السلام کی دعاء میں یہ جملہ مذکور ہے کہ: اے اللہ! تو لوگوں کے دلوں کو مکہ مکرمہ کے باسیوں کی جانب مائل کردے، اور انھیں پھلوں کی روزی دے۔

حج کے سفر سے آنے والوں کو آپ سنتے ہوں گے کہ شہر کے امن و امان اور اشیاء کی فراوانی کا ذکر بڑی طمانیت و سکون سے کرتے ہیں، حج سے واپسی کے بعد زندگی کا باقی حصہ وہاں کی خوشگوار یادوں کے تذکرے ہی میں بسر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے ذکرِ خیر اور ان کے لئے لوگوں کے درود و سلام کو اسی طرح باقی رکھتا ہے۔

البقرۃ اور آل عمران دونوں سورتوں کی متعلقہ آیتوں میں بیت اللہ کے ''دارالامن'' ہونے کا بھی ذکر ہے۔ امن و سلامتی کے لئے دنیا کا ہر ملک اور اس کا ہر شہری پیاسا نظر آتا ہے، حکومتیں اس کے لئے بڑے بڑے بجٹ منظور کرتی ہیں، مؤثر وسائل اختیار کئے جاتے ہیں، سراغ رسانی کا پورا محکمہ پتے پتے پر نظر رکھتا ہے، لیکن آپ محسوس کرتے ہوں گے کہ آنے والا ہر

دن سابقہ دن سے زیادہ بچینی والا ثابت ہوتا ہے، اس میں کمزور یا مضبوط اور ترقی یافتہ یا پسماندہ ملک کی کوئی قید نہیں، کمزوروں پر مشقِ ستم کرنے والے یہ نہیں سمجھ پارہے ہیں کہ بدامنی ودہشت گردی کی گتھی کو کس طرح سلجھائیں۔ انصاف کا تقاضہ تھا کہ آسمانی وغیر آسمانی مذاہب اور مصلحین وقائدین کی تجویزوں سے مدد حاصل کر کے اس مسئلہ کو حل کیا جائے، لیکن افسوس اسلام جیسے امن پسند وصلح جو دین کے خلاف الزام تراشی وافترا پردازی کر کے پورے معاملہ کو بگاڑ دیا گیا ہے، اور آج مشرق ومغرب کا ہر ملک غیر یقینی حالات کے شکار ہے، اور امن وسلامتی کے ہزاروں دعووں کے باوجود عوام کو قطعی سکون حاصل نہیں! جو لوگ دنیا میں امن کی علمبرداری کے مدعی ہیں انھیں حج کے ایام میں اور اسی طرح دوسرے دنوں میں بھی سعودی عرب جا کر دیکھنا چاہئے کہ سر زمین حجاز میں کس طرح کا امن وسکون قائم ہے! قرآن کریم نے آج سے چودہ سو سال پہلے کہہ دیا تھا کہ (والفتنۃ أشد من القتل) یعنی فتنہ وفساد قتل سے سخت ہے۔ دنیا والے اس حقیقت کو سمجھنے کے بجائے اسلام پر اعتراض میں مصروف ہو گئے، اور نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کو امن وسلامتی کے لئے جس روشنی کی ضرورت تھی اسی سے وہ محروم ہو گئی! میں اس موضوع پر گفتگو نہیں کر رہا تھا، بلکہ مکہ مکرمہ کے دارالامن ہونے کا بیان تھا، لیکن بات کا رخ کسی اور طرف چلا گیا، اب قلم روک کر اپنے اصل نقطہ کی طرف آرہا ہوں۔

سورۃ الحج میں بھی بیت اللہ کا اور بیت اللہ سے اٹھنے والی دعوت کا ایمان افروز تذکرہ ہے، لیکن افتتاحیہ کی تنگ دامانی کے باعث میں صرف اس سورہ سے اس بیان کو لیتا ہوں جس کا تعلق قربانی اور قربانی دینے والوں سے ہے، اور ایسا اس لئے کہ اللہ کے جو بندے حج میں گئے ہیں وہ وہاں قربانی کریں گے، لیکن جو بندے اپنے اپنے وطن میں ہیں وہ عیدالاضحیٰ کا دوگانہ ادا کر کے قربانی کریں گے، ان کے لئے بھی اس افتتاحیہ میں چند سطریں ضروری ہیں، اگر چہ جو کچھ سابق میں کہا گیا ہے اس میں ہر مسلمان کے لئے رہنمائی ہے کہ وہ ان کے دین کی، دین کی عبادتوں کی اور دین کے مقاماتِ مقدسہ کی بات ہے۔

مذکورہ سورہ کی آیت (۳۴) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ہم نے ہر ایک قوم کے لئے قربانی کا طریقہ مقرر کر رکھا ہے تا کہ اللہ کے دیئے ہوئے چار پایوں پر اللہ کا نام ذکر کریں، سو تمہارا حقیقی معبود ایک ہی ہے، پس تم اسی کی فرمانبرداری کرتے رہو، اور تو خدا کی طرف جھکنے والے بندوں کو خوشخبری سنا۔

اس آیت میں ناظرین کرام سے تین باتوں پر توجہ کی گذارش ہے: اول قربانی کے جانور کو اللہ کے نام سے ذبح کرنا۔ اس موقع پر سورۃ الانعام کی آیت (۷۹) کا مضمون بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے جسے قربانی کرتے وقت پڑھایا جاتا ہے۔ اسی طرح اسی سورہ کی آیت (۱۶۲۔۱۶۳) کا مضمون بھی ذہن میں حاضر رہنا چاہئے، ان دونوں آیتوں کو بھی قربانی کے وقت پڑھا جاتا ہے۔

دوسری بات جس پر توجہ کی گذارش ہے وہ توحید کا اعلان ہے، اور یہی نبیوں اور رسولوں کی دعوت کا بنیادی نقطہ ہے، مگر

افسوس کہ آج مسلمان اس ملک میں اور دنیا کے دوسرے ملکوں میں شرک کی انتہائی بھیانک قسموں میں مبتلا ہے، اور مزید افسوس یہ کہ اس کے جواز کے لئے من گھڑت دلائل فراہم کئے جاتے ہیں، یا ڈھٹائی سے کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم اسی طریقہ پر قائم رہیں گے! اللہ کے جن بندوں نے اس ملک میں اسلام کی دعوت پھیلائی تھی آج دنیا سے جانے کے بعد ان کو حاجت روا مانا جاتا ہے، اور ان سے وہ سب کچھ مانگا جاتا ہے جن کا دینا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے!

تیسری بات وہ بشارت ہے جس کے مخاطب اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے بندے ہیں، ان کی صفت میں جو باتیں مذکور ہیں ان پر بھی توجہ کی ضرورت ہے، یعنی اللہ کا ذکر سن کر ان کے دل لرز جاتے ہیں، مصائب میں یہ صبر کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اور اللہ کے دیئے ہوئے سے خرچ کرتے ہیں۔

یہ بیان بڑا واضح ہے، جو لوگ منیٰ میں قربانی پیش کریں گے، اور جو لوگ اپنے اپنے وطن میں عیدِ قرباں منائیں گے، ان سب کو تلقین ہے کہ اللہ کی اطاعت وتقویٰ سے آراستہ ہوں، اور اپنے اندر وہ روح پیدا کریں جس سے اسلام کے مقاصد کو حاصل کرنے میں آسانی ہو۔

اللہ تعالیٰ کی صفات میں ایک صفت ''علیم بذات الصدور'' ہے، یعنی اللہ تعالیٰ دلوں کی بات جانتا ہے، وہ انسان کا خالق ہے، لہذا اسے اس مخلوق کی تمام کمزوریوں اور اس کی ضرورتوں کا پورا پورا علم ہے، اس نے سورۃ الحج کی آیت (۳۷) میں انسان کو واشگاف انداز میں بتادیا ہے کہ قربانی میں اللہ تعالیٰ کے یہاں جانور کا گوشت پوست اور خون نہیں پہنچتا، بلکہ باری تعالیٰ دلوں کا تقویٰ دیکھتا ہے، یعنی قربانی پیش کرتے ہوئے انسان کو اپنی نیت میں اخلاص اور دل میں اللہ کا خوف رکھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کی عبادت وطاعت سے بے نیاز ہے، بندہ کو خود عبادت کی ضرورت ہے، اگر وہ عبادت نہ کرے گا تو اللہ کی مغفرت کی مستحق نہ ہوگا، لہذا اسے اپنے دل کو اللہ کے خوف سے معمور رکھنا چاہئے، اور ہمیشہ اس بات کی فکر رکھنا چاہئے کہ کیسے اللہ کی رضا حاصل ہو، اور اس کے عذاب سے نجات کی صورت پیدا ہو۔

حج اور قربانی کے جس موضوع پر گفتگو شروع ہوئی تھی اس کے بعض حصے ابھی باقی ہیں، خاص طور پر یہ نقطہ تشریح طلب ہے کہ حج جیسی عظیم عبادت کے اثرات ملت پر اور ملت کے افراد پر کیا ہوں گے؟ ان اثرات کو بصفتِ اجمال بھی بیان کیا جائے تو پورے مقالہ کی ضرورت ہوگی، لہذا از بر نظر موضوع کے باقیماندہ حصوں پر کسی دوسری فرصت میں روشنی ڈالی جائے گی، ان شاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ حجاج کرام کی عبادتوں کو قبول فرمائے، ان کو صحت وعافیت سے نوازے، اور تمام مسلمانوں کو عید الاضحیٰ مبارک کرے، آمین۔

☆☆☆

صاحب منصب کی تبدیلی

ایک سبق آموز واقعہ

مولانا اسعد اعظمی/استاذ جامعہ سلفیہ

منصب پر فائز شخص کو جب اس منصب سے الگ کر دیا جاتا ہے تو اس سے اس شخص کو بسا اوقات تکلیف پہنچتی ہے اور منصب سے ہٹائے جانے کا اس کو ملال رہتا ہے، ایسا شخص کبھی کبھی شدید ردعمل بھی ظاہر کرتا ہے اور اس منصب تک واپس پہنچنے کے لئے غیر مناسب طرق ووسائل کا بھی سہارا لیتا ہے۔

اس مناسبت سے اسلامی تاریخ کا ایک مشہور واقعہ جو حضرت خالد بن ولید کی معزولی سے متعلق ہے اس کی کچھ ایسی تفاصیل ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے زیر بحث موضوع کا ایک ایسا رخ سامنے آتا ہے جس کا موجودہ مفاد پرستی اور خود پسندی کے ماحول میں عموما تصور نہیں کیا جاتا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی کے اسباب ووجوہات بلکہ اس عزل کے جواز وعدم جواز تک پر آج تک بحث کی جارہی ہے اور اس واقعہ کے بہت سارے متعلقات کو منفی انداز میں پیش کر کے غم وافسوس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ تاریخ میں وارد اس واقعہ کی بہت ساری تفصیلات یا تو اسنادی اعتبار سے محل نظر ہیں یا کچھ دوسرے اعتبارات ان تفصیلات پر سوالیہ نشان لگاتے ہیں، فی الحال اس رخ پر گفتگو نہ کر کے اس واقعہ کے مثبت اور لائق عبرت پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شام کا امیر لشکر بنایا تھا، حضرت خالد کی قیادت میں اسلامی فوج برابر کامیابی حاصل کر رہی تھی، اسی اثناء میں حضرت ابوبکر کا انتقال ہو گیا اور زمام خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد حکومتی نظم ونسق کو مستحکم کرنے کے لئے جو اقدامات کئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ حضرت خالد بن ولید کی جگہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو شام کا امیر لشکر بنا دیا اور حضرت خالد کو ان کے ماتحت کر دیا اور ان سے کہا کہ حضرت خالد سے جنگی امور میں مشورہ کرتے رہیں۔ یاد رہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے شام کی امارت حضرت ابوعبیدہ ہی کے حوالے کی تھی، لیکن ان کی طرف سے معذرت اور مجبوری کا اظہار کئے جانے کے بعد آپ نے حضرت خالد کو یہ ذمہ داری سونپی تھی، حضرت عمر نے دوبارہ حضرت ابوعبیدہ کو اس کام کے

لئے منتخب کیا اور اپنا حکم نامہ حضرت ابوعبیدہ کے پاس بھیجا۔

جس وقت یہ فرمان حضرت ابوعبیدہ کو ملا اس وقت لڑائی اپنے شباب پر تھی، حضرت ابوعبیدہ کے سامنے ایک طرف خلیفۃ المسلمین کا حکم نامہ تھا، دوسری طرف لڑائی کی شدت اس حکم نامہ کی فوری تعمیل جنگی اصول وتدابیر کے لحاظ سے مانع تھی، نیز یہ کہ منصب سے بے رغبتی اور ایک عام سپاہی کی حیثیت سے کام کرنے کا جذبہ بھی اس تعمیل کی راہ میں رکاوٹ تھا، ان تمام وجوہات کے پیش نظر لگ بھگ بیس روز بعد حضرت ابوعبیدہ نے حضرت خالد کو قیادت کی تبدیلی کے سرکاری حکم کی اطلاع دی، اور وہ بھی ایسے وقت جب حضرت خالد کو دوسرے ذرائع سے اس کی اطلاع ملی اور انہوں نے حضرت ابوعبیدہ سے اس کے متعلق استفسار کیا اور اطلاع نہ دینے کا ان سے شکوہ کیا، چنانچہ حضرت خالد حضرت ابوعبیدہ سے ان الفاظ میں شکوہ کرتے ہیں:

" يغفر الله لك، أتاك كتاب أمير المؤمنين بالولاية فلم تعلمنى وأنت تصلي خلفي والسلطان سلطانك" ؟

اللہ آپ کو معاف کرے، آپ کے پاس قیادت سے متعلق امیر المومنین کا مکتوب آیا اور آپ نے مجھ کو مطلع نہیں کیا اور میرے پیچھے نماز پڑھتے رہے جب کہ قیادت وامارت آپ کی تھی؟

اس پر حضرت ابوعبیدہ کا جواب اس طرح تھا:

" وأنت يغفر الله لك، ما كنت لأعلمك ذلك حتى تعلمه من عند غيرى، وما كنت لأكسر عليك حربك حتى ينقضي ذلك كله، ثم كنت أعلمك ان شاء الله، وما سلطان الدنيا أريد، وما للدنيا أعمل، وان ما ترى سيصير الى زوال وانقطاع، وانما نحن إخوان وقوام بأمر الله عز وجل، وما يضر الرجل أن يلي عليه أخوه فى دينه ولا دنياه، بل يعلم الوالي أنه يكاد أن يكون أدناهما الى الفتنة وأوقعهما فى الخطيئة لما يعرض له من الهلكة، الا من عصم الله عز وجل، وقليل ما هم .." (۱)

آپ کو بھی اللہ معاف فرمائے، میں اس وقت تک آپ کو یہ خبر نہیں سنانا چاہتا تھا جب تک دوسرے ذرائع سے آپ تک یہ خبر نہ پہنچ جائے، میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ کی قیادت میں ہونے والی اس جنگ میں کسی طرح کی رکاوٹ ہو، بلکہ جنگ مکمل ہونے کے بعد ان شاء اللہ میں آپ کو خبر کرتا، مجھے دنیا کی سلطنت وقیادت کی خواہش نہیں اور نہ ہی میں دنیا کے واسطے عمل کررہا ہوں، یہ سب کچھ جو آپ دیکھ رہے ہیں سب فانی اور ختم ہونے والی چیزیں ہیں، اور ہم لوگ ایک دوسرے کے بھائی ہی

(۱) تاریخ دمشق لابن عساکر: ۲/۸۷، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۳۔

ہیں، اللہ کے حکم اوراس کے دین کے خادم ہیں، اس سے آدمی کو کیا فرق پڑتا ہے کہ اس کا ایک بھائی ہی اس کے اوپر دینی یا دنیاوی حکمرانی کررہا ہے، بلکہ حکمراں اور ذمہ دار کوتو یہ معلوم ہی ہے کہ (حاکم اور محکوم) دونوں میں سے وہی (حاکم) بالعموم فتنہ کے قریب ہوتا ہے اوراسی کے گناہ گار ہونے اور ہلاکت میں واقع ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں، اس سے صرف وہی لوگ محفوظ ہیں جنہیں اللہ نے محفوظ رکھا اور ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔

حضرت ابوعبیدہ کے یہ جذبات کس قدر زہد وتواضع اور منصب سے بے رغبتی بلکہ اسے آزمائش اور قابل گرفت گردانتے ہوئے اس سے اجتناب کی تمنا کی عکاسی کرتے ہیں، بلاشبہ وہ منصب کو ذمہ داری سمجھتے تھے اعزاز نہیں، اسے امانت تصور کرتے تھے حاکمیت نہیں، یہی تصور حضرت خالد کا بھی تھا انہیں اس بات پر افسوس ہوا کہ حضرت ابوعبیدہ نے فوری طور پر ان کو مطلع کرکے قیادت کی تبدیلی نہیں کی بلکہ فرمان خلیفہ کے بموجب حاکم ہوتے ہوئے بھی محکوم بنے رہے اور امام ہوتے ہوئے بھی اتنے دنوں تک مقتدی بنے رہے۔

دونوں حضرات دین کی سربلندی اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ہی سب کچھ کررہے تھے، وہ حاکم بن کر کریں یا محکوم، امام بن کر کریں یا مقتدی، اس کی ان کے یہاں بہت زیادہ اہمیت نہیں تھی، وہ عہدے اور منصب سے اوپر اٹھ کر کام کررہے تھے، منصب ان کے پاس رہے یا ان کے کسی دوسرے دینی بھائی کے، اس سے ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا، اسلام اور اہل اسلام کی سربلندی ہر حال میں مقصود تھی۔

معاملہ اسی گفتگو تک محدود نہیں تھا جس کا سطور بالا میں تذکرہ ہوا، بلکہ دوسرے مآخذ میں یہ بھی آیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضرت خالد کی معزولی اوران کی جگہ حضرت ابوعبیدہ کی تقرری کی خبر آئی تو حضرت خالد نے فرمایا: "بُعث عليكم أمين هذه الأمة" اس امت کے امین تمہارے قائد بنائے گئے ہیں، اس پر حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرمارہے تھے کہ "خالد سيف من سيوف الله، ونعم فتى العشيرة" خالد اللہ کی تلوار ہیں اور قبیلہ کے بہترین نوجوان ہیں۔(۱)

غور کیجئے ایسے نازک وقت میں جبکہ ایک ذمہ دار کے سر سے تاج اتار کر دوسرے کے سر پر رکھا جارہا ہے، صاحب منصب کو اس کے منصب سے جدا کرکے ایک عام شخص کی حیثیت دے دی جاتی ہے مگر نہ اسے اس پر کوئی رنجش ہوتی ہے اور نہ بعد والے قائد کو پہلے والے قائد سے کوئی تکدر ہوتا ہے بلکہ دونوں ایک دوسرے کی تعریف وتوصیف کرتے ہیں، اس کی

(۱) الاستیعاب لابن عبدالبر: ۹۳/۲ ۷-۹۴ ۷، اسد الغابۃ لابن الاثیر: ۱۲۵/۳، البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ۱۱۴/۷، الاصابۃ: ۴۱۴/۱، تاریخ دمشق: ۱۷/۴/۱۸۔

صلاحیت اور امانت و دیانت کا اعتراف کرتے ہیں۔

بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے آگے کی تاریخ پڑھیں اور واقعات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ کے دل میں حضرت خالد کا مقام و مرتبہ ہمیشہ بلند رہا، ان سے وہ مشورے کرتے، ان کو مناسب ذمہ داریاں دیتے، اور تاحین حیات ان دونوں کے تعلقات میں کوئی فرق نہیں آیا، اور دونوں کے دل ایک دوسرے کے تعلق سے ہمیشہ صاف رہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید کو معزول کیا تھا، ان کے تعلق سے بھی حضرت خالد اچھی ہی رائے رکھتے تھے، چنانچہ ابن عساکر کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابو درداء حضرت خالد کے پاس ان کے مرض الموت میں گئے تو حضرت خالد فرمانے لگے: اے ابو درداء! اگر حضرت عمر انتقال کر گئے تو تمہیں بہت سے منکرات دیکھنے پڑیں گے، حضرت ابو درداء نے کہا واللہ میں بھی یہی سمجھ رہا ہوں۔(۱)

یہی نہیں حضرت خالد نے اپنے آخری لمحات میں اپنے ترکے کی تقسیم کا والی حضرت عمر کو بنایا اور وصیت فرمائی کہ جب میں مر جاؤں تو میرا کل اثاثہ حضرت عمر کے سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ فیصلہ خداوندی کے مطابق میرے وارثوں میں تقسیم کر دیں اور کسی کا کوئی حق میرے ذمہ باقی نہ رہ جائے۔(۲)

ادھر حضرت خالد کے تعلق سے حضرت عمر کے جذبات بھی سنتے چلیں، حضرت خالد کی وفات کے وقت حضرت عمر بے حد غمزدہ ہو کر فرمانے لگے کہ اگر وہ خالد کو باحیات پاتے تو اپنے بعد ان ہی کو خلافت سپرد کرتے۔(۳)

ان تمام واقعات و بیانات میں اہل منصب کے لئے جو پیغام اور جو سبق موجود ہے وہ بڑا کھلا اور واضح ہے، فھل من مدکر ؟



(۱) تاریخ دمشق: ۱۸/۱۹۶۔

(۲) الاصابۃ: ۱/۱۱۵، تاریخ دمشق: ۱۸/۱۹۷۔

(۳) قادۃ فتح العراق والجزیرۃ لمحمود شیت خطاب ص: ۱۶۰، بحوالہ: الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبۃ: ۱/۲۴۔

قربانی کے منتخب احکام ومسائل

مولانا حافظ شیخ عین الباری عالیاوی

ذبح کے اصول

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:''ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے دوسینگ دار چتکبرے دنبے کی قربانی کی، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے ان دونوں کے کاندھے پر قدم مبارک رکھ کر بسم اللہ اور اللہ اکبر فرما کر ذبح کیا''۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے۔'' آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ ایک چھری لاؤ اور اسے پتھر پر گھس کر تیز کرو، میں نے ویسا ہی کیا۔اس کے بعد آپ ﷺ نے چھری پکڑ لی اور دنبہ کو پکڑ کر لٹا دیا پھر ذبح کیا۔اس کے بعد فرمایا:"بسم الله اللهم تقبل من محمد و اٰل محمد ومن امة محمد"(۱)

مذکورہ حدیثوں سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں جیسے (ا) اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا (ب) چھری تیز کرنا (ج) جانور کو لٹانا (د) دعا پڑھنا (ھ) چھری چلانا یا ذبح کرنا۔مذکورہ باتوں کا مفصل بیان درج ذیل ہے:

حسب طاقت اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا مناسب

مذکورہ بالا بخاری ومسلم کی حدیث کے ساتھ بے شمار حدیثیں ثابت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دست مبارک سے قربانی کرتے اور حتی الامکان دوسرے کسی کو دے کر قربانی نہیں کراتے۔لہذا آپ ﷺ کی امت پر بھی حسب استطاعت آپ ﷺ کی سنت کی تعمیل اور اپنے ہاتھ سے قربانی کرنے کی کوشش مناسب ہے۔علامہ مظہر نے فرمایا:''ہر ایک کو ہی اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا سنت ہے۔کیونکہ ذبح کرنا عبادت ہے اور اپنی عبادت خود کرنا افضل ہے اگرچہ یہ عبادت دوسرے کے توسط سے کرانا جائز ہے۔''(۲) تجربے سے دیکھا گیا ہے کہ اپنے ہاتھ سے قربانی کرنے کے نتیجہ میں اور قربانی کرنے کے وقت قربان گاہ میں موجود رہنے کی بدولت اکثر بزدل آدمیوں کی بزدلی دور ہوکر ان کے دلوں میں شجاعت پیدا ہوئی ہے۔

مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے بنفس نفیس ۶۳ جانور ذبح کرنے کے بعد ۳۷ جانور بتوسط حضرت علی رضی اللہ عنہ ذبح کرائے تھے۔(۳) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے کے ذریعہ بھی قربانی کی جاسکتی ہے لیکن وہ افضل نہیں، بلکہ مجاہدین کے ہر سپاہی کو اپنے ہاتھ سے قربانی کرکے قدرے بہادر ودلیر ہونا مناسب ہے۔اگر کوئی قادر ہوتے ہوئے بھی اپنے ہاتھ سے قربانی نہ کرے تو کم از کم قربانی کے وقت وہ گوشئہ خانہ میں بیٹھا نہ رہے بلکہ قربانی کے جانور کے قریب اسے کھڑا رہنا چاہئے، چنانچہ ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کی قربانی کے قریب جاکر کھڑی رہنے اور وہاں حاضر رہنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔(۴)

چھری سان دینے کا سبب اور اختیار احتیاط

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''اللہ تبارک وتعالی نے ہر جنس پر حسن سلوک واجب کردیا ہے۔لہذا جب تم قتل کرو اس وقت اچھی طرح قتل کرو اور جس وقت تم ذبح کرو اس وقت احسن طریقہ سے ذبح کرو، اور تمہارا ہر کوئی اپنی چھری کو سان دے لے اور ذبیحہ جانور کو آرام پہنچائے۔''(۵) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ''رسول اللہ ﷺ نے چھری سان دینے اور جانوروں سے اسے چھپائے رکھنے کا حکم فرمایا ہے''۔اور

(۱) بخاری:۷/۸۸، مسلم:۳/۱۵۵۷ (۲) مرقاۃ:۲/۲۶۰ (۳) مسلم ۱/۳۹۹
(۴) السنن الکبری للبیہقی ۹/۲۸۳، ضعیف حدیث ہے۔ (۵) صحیح مسلم ۳/۱۵۴۸، سنن نسائی ۷/۲۶۰

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: ''تمہارا کوئی جب ذبح کرے، تب بہت جلدی ذبح کرے۔(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، ایک دفعہ ایک شخص کو ایک بکری لٹا کر چھری سان دیتے دیکھ کر نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اسے متعدد موت دینا چاہتے ہو؟ سلانے سے پہلے کیوں چھری کو سان نہیں دیا؟'' (۲) موطأ امام مالک میں مروی ہے کہ ایک آدمی کے ایک بکری کو سلا کر چھری سان دینے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کوڑے مار کر فرمایا: ''کیا تم اس کی روح کو عذاب دیتے ہو؟ (سان دینے کا) یہ کام اس کو لٹانے سے پہلے کیوں نہیں کیا؟'' (۳)

ذکر کردہ چار حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ جانور کو لٹانے سے پہلے اس کی نگاہ سے چھپا کر چھری کو خوب اچھی طرح سان دے کر حتی الامکان عجلت سے اسے ذبح کرنا ہوگا اور جس قدر کم سے کم تکلیف دے کر اسے ذبح کیا جا سکے اس کی حتی الوسع کوشش کرنی ہوگی، اسی لئے امام نوویؒ نے فرمایا: ''جانور کے روبرو چھری سان دینا، اور ایک جانور کی موجودگی میں دوسرے جانور کو ذبح کرنا اور مذبح میں جانور کو کھینچ کھینچ کر لے جانا مناسب نہیں'' (۴) علماء کا کہنا ہے کہ ذبح کے وقت بھی جانور کی نظر چھری پر نہ پڑے، اس لئے اس کی دونوں آنکھیں ہاتھ سے ڈھانک دینا مناسب اور بیان کردہ آداب وقواعد کو حسب طاقت عملی جامہ پہنانا ضروری ہے۔

جانور کو لٹانے اور باندھنے کا طریقہ

مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ''نبی ﷺ نے دنبہ کو لٹا کر ذبح کیا تھا''۔ اس حدیث کی تشریح میں علامہ محمد بن اسماعیل امیر صنعانی نے فرمایا: ''مذکورہ حدیث میں دلیل ہے کہ بکری، دنبہ وغیرہ کو لٹانا افضل اور کھڑا کر کے یا بٹھا کر ذبح کرنا نامناسب ہے کیونکہ یہی آسان صورت ہے اور انہیں لٹانے کے سلسلہ میں تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ انہیں بائیں کروٹ پر لٹانا ہوگا تاکہ ذبح کرنے والا داہنے ہاتھ میں چھری اور بائیں ہاتھ سے جانور کے سر کو بہ سہولت پکڑ سکے''۔ (۵) جانور کو بائیں پہلو سلانے سے اس کا سر جنوب میں، دم شمال میں اور پیر مغرب کی جانب رہیں گے اور ذابح مشرق کی جانب کھڑا قبلہ رو ہو کر جانور کے راست کاندھے پر قدم رکھ کر کھڑے کھڑے قدرے جھک کر گلے پر چھری چلائے گا۔ اس حدیث سے اور دیگر حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اونٹ کے سوا، بیل، دنبہ، بھیڑ، خصی وغیرہ جانوروں کو لٹا کر ذبح کرنا ہوگا۔ سلانے کے بعد اگر ان کے ہاتھ پاؤں باندھے نہ جائیں تو ان کے ہاتھ پیر کی حرکت سے ذبح کے کام میں شریک ہونے والے لوگ چوٹ کھا سکتے ہیں۔ اسی لئے ان کے پاؤں باندھنے کے سلسلہ میں امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''بیل و بکری کو لٹا کر ان کے راست پا کو چھوڑ کر باقی تینوں پاؤں کو باندھنا پڑے گا''۔ (۶)

جانور کے کاندھے پر قدم رکھنے کا بیان

بخاری ومسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ لٹائے ہوئے جانور کے کاندھے پر پیر رکھ کر ذبح کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ لہذا ہر ذابح کو چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کی اس سنت پر عمل کرے۔ ہمارے کچھ بھائی حدیث نہ جاننے کے سبب اور ان کے علاقے میں جانور کے کاندھے پر پیر رکھ کر ذبح کرنے کا دستور رائج نہ رہنے کے باعث حضور ﷺ کی اس سنت کو خلاف عقل سمجھتے ہیں اور قربانی کے جانور کو وہ غیر مسلم بھائیوں کے دیوی دیوتا کی طرح جانتے ہیں۔ یا اللہ! ان کی اس بھول کو دور کر اور ان کو رسول کی سنت پر عمل کی توفیق عطا فرما۔ آمین!

ذبح کے وقت کون سا عضو کاٹنا ہوگا؟

دارقطنی ص ۵۴۴ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے بدیل بن ورقاء کو مکہ کی گلی کوچے میں یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ ذبح ہوگا حلق ولبہ (سینہ کا بالائی حصہ) کے بیچ میں''۔ مصنف عبدالرزاق میں یہی حدیث رسول اللہ

(۱) سنن ابن ماجہ ۲/۱۰۵۹، ضعیف حدیث ہے (ضعیف ابن ماجہ ص ۲۵۳)
(۲) مستدرک حاکم: ۴/۲۳۱، امام حاکم نے اسے بخاری کی شرط پر صحیح کہا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، التلخیص الحبیر: ۴/۱۴۳
(۳) نصب الرایۃ: ۴/۱۸۸ (۴) شرح مسلم: ۲/۱۵۲
(۵) سبل السلام: ۲/۲۰۳، فتح العلام: ۲/۲۹۳ (۶) روضۃ الطالبین: ۳/۲۰۷

ﷺ سے مرفوعانہیں، بلکہ ابن عباس، علی وعمر رضی اللہ عنہم سے موقوفا مروی ہے۔(۱)

مذکورہ حلق ولبہ کی تشریح میں امام نوویؒ نے فرمایا: ''گلے میں چار نالیاں ہیں یعنی: (۱) حلقوم یا تنفس کی نالی (۲) مری یا غذا کی نالی جو حلقوم کے نیچے رہتی ہے (۳،۴) گردن کے پتے کے پیچ دو رگیں جو حلقوم کو گھیرے رہتی ہیں ان کو عربی میں ''ودجان'' کہتے ہیں، یہ ہوئیں جریان خون کی نالیاں۔شوافع کی رائے میں مذکورہ چار نالیوں میں حلقوم ومری کا کٹنا ضروری ہے'(۲) احناف کی رائے میں کسی تین کے کٹنے سے جانور حلال ہوگا، مالکیوں کی رائے میں چاروں کا کٹنا شرط ہے۔(۳)

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ''شیطانی ذبح'' سے منع فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ: ذبح کے وقت اس طرح گلے کا چمڑا کاٹنا کہ رگیں نہ کٹیں پھر اسے چھوڑ دینا کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر جائے'' (۴) پہلے مسلم شریف کی حدیث بیان کی گئی ہے کہ جانور کو آرام پہنچایا جائے۔

مذکورہ دونوں حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ جانور کی چاروں نالیاں کاٹنا افضل ہے، چاروں کاٹنے سے اس کے تمام خون بہت جلد نکل جائیں گے۔حاصل یہ کہ حتی الامکان اسے آرام پہنچانا ہوگا اسی لئے اہلحدیث کی رائے میں صرف چمڑا کاٹنا حرام، ایک رگ کاٹنا قابل اعتراض، دو کاٹنا جائز تین کاٹنا مناسب اور چاروں کاٹنا افضل ہے۔ کچھ لوگوں کے درمیان اس بات کی شہرت ہے کہ ڈھائی یا تین پیچ سے ذبح کرنا چاہئے، یہ بے بنیاد بات ہے، بلکہ مذکورہ احادیث ثابت کرتی ہیں کہ اگر دو رگڑ سے کٹ جائے تو تین رگڑ کی ضرورت نہیں، تین رگڑ سے اگر ذبح ہو جائے تو پھر چوتھی رگڑ نامناسب ہے۔اگر جانور قابو کے اندر ہو تو بیان کردہ اصول کے مطابق ذبح ہوگا۔لیکن جانور اگر ذبح کے وقت رسی توڑ کر بھاگے اور ذابح کے قابو سے باہر چلا جائے تو ایسی صورت میں اس کے گلے پر چھری چلانا ممکن نہیں۔اسی لئے اس صورت کے متعلق اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''ایسی حالت میں تم اگر اس کی ران میں برچھا مارو تو یہی کافی ہے۔'' (۵) اس حدیث کی بنیاد پر تمام علماء کہتے ہیں کہ بے بس جانور کی ران یا کسی بھی جگہ اسے ضرب لگا کر گھائل کرنا کافی ہوگا۔

قصاب کی مزدوری اپنے پاس سے دینا ہوگی

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ قربانی کی کسی بھی چیز سے میں قصاب کو مزدوری نہ دوں، انہوں نے فرمایا کہ اس لئے ہم لوگ اپنے ہی پاس سے اسے دیتے تھے'' (۶) یعنی قربانی کا گوشت، چمڑا یا کوئی اور چیز قصاب کو مزدوری میں نہ دے کر علیحدہ طور پر اس کی قیمت دینا پڑے گی، ہاں اگر اسے بطور تحفہ کچھ گوشت کھانے کو دیا جائے تو اس میں مضائقہ نہیں۔

قربانی کا گوشت کیا کرنا ہوگا؟

قربانی کے گوشت کے متعلق اللہ تعالی نے فرمایا: ''اس میں سے تم کچھ کھاؤ اور بدحال محتاجوں کو کھلاؤ'' (۷) دوسری آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے فرمایا: ''اس میں سے تم لوگ کچھ کھاؤ اور دامن قناعت تھامنے والے اور در بدر دست سوال دراز کر کے مخلوق خدا کو تنگ کرنے والے کو کھلاؤ''۔(۸)

مذکورہ دونوں آیات مقدسہ کی بنیاد پر قربانی کے گوشت کی تقسیم کے سلسلے میں علمائے کرام کے درمیان دو رائیں مروج ہیں (۱) اس کے دو حصے کئے جائیں، ایک حصہ قربانی دینے والے کھائیں اور دوسرا حصہ محتاجوں کو خیرات دیں (۲) اس کے تین حصے کرنے ہوں گے، ایک حصہ قربانی

(۱) نصب الرایہ: ۴/ ۱۸۵ (۲) روضۃ الطالبین: ۳/ ۲۰۲ (۳) ھدایۃ: ۴/ ۴۳۷
(۴) ابوداؤد: ۳/ ۲۵۱، ضعیف حدیث ہے (ضعیف ابی داؤد ص ۲۷۷)
(۵) ابوداؤد (۲۸۲/۵)، نسائی ۲/ ۲۰۷، ابن ماجہ: ۳۱۴۸، احمد: ۴/ ۳۳۴، حدیث ضعیف ہے، ارواء الغلیل: ۸/ ۱۶۸
(۶) صحیح مسلم: ۲/ ۹۵۴، مسند احمد ۱/ ۱۵۴، ابن خزیمہ ۴/ ۲۹۵
(۷) سورہ حج: آیت ۲۸ (۸) سورہ حج: ۳۶

دینے والے کا، ایک حصہ دوست واحباب و پڑسیوں کا جو مانگتے نہیں پھرتے اور ایک حصہ ان حاجت مندوں کا جو مانگتے پھرتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: ''تم کھاؤ، ذخیرہ اندوزی کر کے رکھو اور صدقہ کرو''۔(۱) علامہ نواب صدیق حسن خاں فرماتے ہیں کہ ''ترمذی شریف کی بیان کردہ حدیث کی بنیاد پر اکثر علماء کا فتویٰ تین حصہ کرنے کا ہے، ایک حصہ کھانا، ایک حصہ صدقہ کرنا، ایک حصہ جمع رکھنا''۔(۲) حنفی فقہ کی کتاب بدائع میں ہے کہ ''افضل ہے کہ تین حصوں میں تقسیم کریں، ایک حصہ خیرات کریں، ایک حصہ خویش واقارب ودوست واحباب کی مہمان نوازی کی غرض سے جمع رکھیں اور ایک حصہ خود کھائیں۔'' فتاویٰ غیاثیہ میں ہے کہ ''وہ صدقہ امیر وغریب، مسلم وغیر مسلم سبھی کو دیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی تمام ہی گوشت صدقہ کر دے تو یہ جائز ہے۔ اسی طرح وہ کل کو ہی روک رکھے یہ بھی جائز ہے، البتہ لوگوں کو کھلانا اور صدقہ کرنا ہی افضل ہے''۔(۳)

''مبسوط'' میں امام شافعیؒ نے فرمایا: ''میرے نزدیک پسندیدہ رائے یہ ہے کہ خود کھانے اور جمع کر کے رکھنے کا حصہ ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو، اور امیروں کے تحفہ کا ایک تہائی حصہ اور غریبوں کا صدقہ بھی ایک تہائی حصہ کا ہو۔'' ذخیرہ اندوزی کے بارے میں امام نوویؒ نے فرمایا: ''وہ اپنے کھانے کے حصہ سے رکھا جائے اور تحفہ وخیرات کرنے کے حصہ میں سے نہ رکھا جائے''۔(۴) ابوموسیٰ اصفہانی کی کتاب ''وظائف'' میں مروی ابن مسعود، ابن عمر و اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی تینوں احادیث کی بنیاد پر امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ''تین حصہ کرنا ہی مناسب ہے''(۵) اہلحدیث کی رائے میں بھی تین حصے افضل ہیں اور کم وبیشی ہونے سے مضائقہ نہیں، تقوی کا تقاضا ہے کہ زیادہ صدقہ کرنا ہی مناسب ہے۔

قربانی کے دن کب کھانا سنت ہے؟

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: ''نبی کریم ﷺ عیدالفطر کے دن کچھ کھا کر نکلتے، اور عیدالاضحیٰ کے دن نماز عید پڑھنے تک کچھ نہ کھاتے''۔(۶)

ابن ماجہ اور بیہقی کی روایت میں ہے ''واپس ہونے تک کھاتے نہیں''، اسرم کی روایت میں ہے: ''قربانی کرنے تک کھاتے نہیں''، مسند احمد، دارقطنی وبیہقی کی روایت میں ہے: پھر آپ ﷺ قربانی کا کچھ کھاتے۔ بیہقی کی دوسری روایت میں ہے۔ ''آپ ﷺ قربانی کی کلیجی تناول فرماتے۔'' ان تمام احادیث کو سامنے رکھ کر امام احمدؒ نے فرمایا: ''جس کے پاس قربانی کا جانور ہو تو نماز عید کے بعد اس کا کھانا افضل ہے'' اس رائے کی تھوڑی تشریح کر کے حافظ ابن قدامہ نے فرمایا: ''جس کے پاس قربانی کا جانور نہیں اس کے کھانے میں مضائقہ نہیں''(۷) مذکورہ بالا حدیث کی رو سے اہل حدیث کا فتویٰ یہ ہے کہ قربانی کا جانور رہے یا نہ رہے نماز عیدالاضحیٰ کے بعد کھانا مناسب اور حسب استطاعت حضور ﷺ کی سنت کی تعمیل ضروری ہے۔

عیدالاضحیٰ کے دن حضور ﷺ کی سنت کے مطابق نماز عید یا قربانی کرنے تک کچھ نہ کھانے کو بہت سے لوگ نصف روزہ کہتے ہیں، یہ کہنا درست نہیں کیونکہ اس روزہ کی سحری کہاں؟

☆☆☆

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۳۴۲/۶ (۲) فتح العلام: ۲۹۸/۲
(۳) فتاوی عالمگیری: ۲۸/۴۔ (۴) روضۃ الطالبین: ۲۲۴/۳
(۵) مرعاۃ: ۳۶۹/۲۔ (۶) مشکوٰۃ: ص ۱۲۶
(۷) مرعاۃ: ۳۳۸/۲۔

فضائل عشرۂ ذی الحجہ اور قربانی

مولانا محمد مستقیم سلفی/استاذ جامعہ سلفیہ

ماہ ذی الحجہ عربی کے ان چار مہینوں میں سے ایک ہے جسے اشہر حرم (یعنی حرام کے مہینے) کہا جاتا ہے، حرام کے چار مہینے یہ ہیں: (۱) ذی قعدہ (۲) ذی الحجہ (۳) محرم (۴) رجب، ان مہینوں کی حرمت ظہور اسلام سے صدہا برس قبل عرب کے مسلمہ عقائد میں داخل تھی، دور جاہلیت میں ان کی حرمت لوگوں کے دلوں میں اس قدر راسخ تھی کہ ان کا پامال کرنا ان کے نزدیک سنگین مذہبی جرم سمجھا جاتا تھا، اس کی حرمت کے لحاظ ہی کا یہ اثر تھا کہ جب وہ اپنی جبلت ثانیہ کی بنا پر لڑائی کے لئے بیقرار ہوتے تو مہینوں کی ترتیب الٹ پلٹ دیتے، ماہ صفر کو پہلے اور ماہ محرم کو بعد میں کردیتے تھے تاکہ وہ لڑائی وخونریزی کرسکیں اور حرام مہینے کی پامالی نہ ہو، مہینوں کی ترتیب کے اس الٹ پھیر کو ''نسی'' سے تعبیر کیا جاتا تھا جسے قرآن کریم نے گمراہی اور کفر میں اضافہ قرار دیا ہے۔

ماہ ذی الحجہ بھی حرام مہینوں میں سے ایک ہے، اس لئے مشرکین کے نزدیک اس کی قدر وقیمت تو تھی ہی لیکن قرآن کریم کے بیان کے مطابق مشرکین کے نزدیک حرام مہینوں میں بھی اس کو خاص امتیاز حاصل تھا، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿والفجر وليال عشر والشفع والوتر﴾ قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت وطاق کی۔

مفسرین نے "ليال عشر" اور "الشفع" اور "الوتر" کی مختلف تفسیر کی ہے، مسند احمد اور تفسیر ابن کثیر میں ''لیال عشر'' سے ماہ ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن اور ''الشفع'' سے یوم النحر اور ''الوتر'' سے یوم عرفہ مراد لیا ہے اور اس کی دلیل میں ایک حدیث رسول اور چند اقوال صحابہ پیش کیا ہے، حدیث یہ ہے: "وعن جابر عن النبی ﷺ قال ان العشر عشر الأضحى والوتر يوم العرفة والشفع يوم النحر" یعنی لیال عشر سے مراد ماہ ذی الحجہ کی ابتدائی دس دن اور وتر سے مراد یوم عرفہ اور شفع سے مراد یوم النحر ہے، لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ اور ابن عباس، عکرمہ اور ضحاک کا قول ہے کہ "ان الوتر يوم عرفة لكونه التاسع والشفع يوم النحر لكونه العاشر" یعنی وتر سے مراد یوم عرفہ ہے، اس لئے کہ وہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ ہے (یعنی طاق ہے) اور شفع سے مراد یوم النحر ہے، اس لئے کہ وہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہے (یعنی جفت ہے) "وليال عشر المراد بها عشر ذى الحجة كما قاله ابن عباس وابن الزبير ومجاهد وغير واحد من السلف والخلف" (تفسیر ابن کثیر ج ۴) یعنی لیال عشر سے مراد ماہ ذی الحجہ کی ابتدائی دس دن ہیں، اس کے قائل عبداللہ بن عباس، ابن الزبیر، مجاہد اور سلف صالحین کی جماعت ہے۔

قسم کا اصول یہ ہے کہ وہ ہمیشہ انہیں مہتم بالشان چیزوں کی کھائی جاتی ہے جو مخاطب کی نگاہ میں بھی مہتم بالشان ہوں،

ظاہر ہے کہ مذکورہ سورہ میں روئے سخن کفار کی جانب ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی ذی الحجہ کے دس دن خصوصا یوم عرفہ و یوم النحر بڑی عظمت کے دن تھے۔

تکبیر اور اس سے متعلقہ احکام:

ماہ ذی الحجہ کی اس فضیلت کو اسلام نے مزید اہمیت دے کر بنی نوع انسان پر کافی احسان کیا ہے، یوں تو ماہ ذی الحجہ کے پورے مہینے کی فضیلت حدیث شریف میں وارد ہے، لیکن شروع دس دن کی فضیلت بنسبت بقیہ دنوں کے زیادہ ہے جیسا کہ ''لیال عشر'' کی تفسیر سے واضح ہے اور اس دس دنوں میں سے یوم عرفہ اور یوم النحر کو خصوصیت کے ساتھ فضیلت حاصل ہے، ان دنوں کے روزے اور قیام اللیل (تہجد) کی احادیث میں کثرت سے فضیلت مذکور ہے، چند احادیث پیش خدمت ہیں:

عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ: ما من أيام العمل الصالح فيها أحب الى الله عز وجل من هذه الأيام يعنى العشر، قالوا: يا رسول الله ! ولا الجهاد فى سبيل الله قال ولا الجهاد فى سبيل الله الا رجل خرج بنفسه وماله ثم لم يرجع من ذلك بشيء۔ (رواه البخارى وغيره)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں زیادہ محبوب ہے اللہ عزوجل کے نزدیک کسی دن میں نیک عمل کرنا ان دنوں سے زیادہ یعنی عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں، آپ نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں مگر وہ مجاہد جو جان ومال کے ساتھ اللہ کی راہ میں نکلے اور ان میں سے کسی کے ساتھ واپس نہ ہو، یعنی خود بھی شہید ہو گیا ہو اور گھوڑے وغیرہ بھی ہلاک ہو گئے ہوں۔

حاصل یہ ہے کہ ان دنوں میں روزہ رکھنا، تلاوت قرآن کرنا، نفل نماز دن ورات میں پڑھنا، سبحان اللہ لا الہ الا اللہ پڑھنا اور صدقہ وخیرات کرنا وغیرہ اور دنوں اور زمانوں سے بھی بہتر ہے۔

طبرانی میں صحیح سند سے روایت ہے: "قال النبى ﷺ ما من أيام أعظم عند الله ولا أحب الى الله العمل فيهن من أيام العشر فاكثروا فيهن من التسبيح والتحميد والتهليل والتكبير"۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی کے نزدیک ماہ ذی الحجہ کے دس دنوں سے افضل کوئی دن نہیں اور ان دنوں سے بڑھ کر محبوب کسی اور دن کا عمل نہیں، لہذا تم لوگ ان دنوں میں کثرت سے سبحان اللہ الحمد للہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہو۔

وعن حفصة رضى الله عنها قالت: أربع لم يكن يدعهن رسول الله ﷺ: صيام عاشوراء والعشر وثلاثة أيام من كل شهر والركعتين قبل الغداة. (نسائی) چار چیزیں اللہ کے رسول ترک نہیں فرماتے: عاشوراء، عشر ذی الحجہ اور ہر قمری مہینہ کا تین روزہ اور فجر کی دو رکعت سنت۔(نسائی)

یوم عرفہ کے روزہ کی فضیلت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

عن أبى قتادة أن النبى ﷺ قال صيام يوم عرفة انى أحسب على الله يكفر السنة التى بعده والسنة التى قبله۔ (ترمذی باب ماجاء فی فضل یوم عرفۃ)

حضرت ابوقتادہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے کے سلسلہ میں مجھے اللہ تعالی کی

ذات سے توقع ہے کہ وہ ایک سال قبل اور ایک سال بعد کے گناہوں کو مٹادے گا۔

(نوٹ) دس روز ذی الحجہ کے روزے اکثر کے اعتبار سے ہے ورنہ عید کے دن روزہ رکھنا منع ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے سال بھر میں پانچ دن روزہ رکھنا منع فرمایا ہے (۱) عید الفطر (۲) عید الاضحیٰ (۳) تین دن ایام تشریق یعنی گیارہویں بارہویں تیرہویں تاریخ عید قرباں کے بعد۔

مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے حاجیوں کو منع فرمایا ہے۔

ناخن اور بال نہ کاٹنے کے احکام

ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو چاند دیکھنے کے بعد سے ناخن تراشنا، زیرناف کے بال لینا، لبوں کو ترشوانا، سر کے بال مونڈنا یا کاٹنا، بغل کے بال لینا اور ناک کے بال لینا ہر ایک ممنوع اور ناجائز ہے، ہر اس شخص کے لئے جو قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، چاہے مرد ہو یا عورت۔

عن أم سلمة قالت قال رسول الله ﷺ اذا دخل العشر وأراد بعضكم أن يضحى فلا يمس من شعره وبشره شيئا، وفى رواية فلا يأخذن شعرا ولا يَقلِمَن ظفرا، وفى رواية من رأى هلال ذى الحجة وأراد أن يضحى فلا يأخذ من شعره ولا أظفاره. رواه مسلم. ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب عشرہ ذی الحجہ داخل ہوا اور تم میں سے کوئی قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اپنے بال و ناخن کاٹنے سے رک جائے اور قربانی کرنے کے بعد کاٹے، اور جو شخص قربانی نہ کر سکے وہ بھی اپنے بال اور ناخن کو نہ کاٹے تو اللہ تعالی اس کو قربانی کا ثواب عنایت فرمائے گا۔

عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ أمرت بيوم الأضحى جعله الله عيدا لهذه الأمة قال له رجل يا رسول الله أرأيت إن لم أجد الا منيحة أنثى أ فأضحى بها قال لا ولكن خذ من شعرك وأظفارك وتقص شاربك وتحلق عانتك فتمام أضحيتك عند الله. (رواہ ابوداود)

حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالی نے قربانی کا دن اس امت کے لئے عید کا دن مقرر کر دیا ہے، ایک آدمی نے کہا کہ اگر قربانی کا جانور مجھے نہ ملے، ایک جانور دودھ دینے والا عاریت کا میرے پاس ہو تو کیا اس کی قربانی میں کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، تو اپنے بال لے لو، اپنے ناخن تراش لو، اپنے مونچھ تراش لو اور اپنے زیرناف مونڈ لو تو اللہ عزوجل کے نزدیک یہ تمہاری مکمل قربانی ہوگی۔

اس حدیث پر بعض محدثین نے کلام کیا ہے، لیکن امام ابوداود، امام منذری نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے اور امام حاکم اور علامہ ذہبی نے اس کی تصحیح کی ہے۔

☆☆☆

قربانی کے مختصر احکام ومسائل

عزیر احمد کتاب اللہ سلفی

چونکہ دین اسلام دین فطرت ہے اور فطرت کا تقاضا ہے کہ انسان کو خوشی کے ایام، مسرت کے اوقات اور شادمانی کے لمحات میسر ہوں جن میں وہ سرور وانبساط، مسرت وشادمانی، اخوت ومحبت، اتحاد ومساوات اور وحدت واجتماعیت کا مظاہرہ کرسکیں، اسی تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ عزوجل نے مسلمانوں کے لئے دو دن خوشی کے عنایت فرمایا ہے۔ لیکن شریعت اسلامیہ نے ان خوشی کے ایام میں بھی کچھ ایسے اصول وضوابط، آداب وشرائط، حدود وقیود اور احکام ومسائل متعین کیا ہے جن کا لحاظ رکھنا اور ان پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، اس لئے ہمیں خوشی ومسرت کے اظہار میں کسی ایسے عمل کے ارتقاب سے اجتناب کرنا چاہئے جو روح شریعت کے خلاف ہو اور جس سے عید کے تقدس وشان کو ٹھیس پہونچتا ہو، زیر مطالعہ مضمون میں قربانی کے مختصر احکام ومسائل کتاب وسنت کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں۔

قربانی کا حکم: قربانی کے وجوب اور سنت ہونے کے بارے میں علماء امت کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ بعض علماء نے آیت کریمہ: "فصل لربك وانحر" (۱) (اے نبی ﷺ آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔ اور حدیث مبارکہ: " من وجد سعةً لأن يضحى فلم يضح فلا يحضر مصلانا "(۲) (جو آدمی قربانی کرنے کی استطاعت رکھتا ہو پھر وہ قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے) کی بنیاد پر قربانی کی ادائیگی پر صاحب استطاعت اور خوشحال مسلمان پر واجب وفرض قرار دیا ہے، لیکن جمہور علماء قربانی کے سلسلے میں سنت مؤکدہ کے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کے طرز عمل سے یہی ثابت ہے کیوں کہ آپؐ نے اسے کبھی بھی ترک نہیں کیا بلکہ پوری زندگی قربانی انجام دیتے رہے، چنانچہ سنن ترمذی کی روایت ہے:" اقام رسول الله ﷺ بالمدينة عشر سنين يضحى" (۳) نبی ﷺ دس سال مدینہ منورہ میں مقیم رہے اور قربانی ادا کرتے رہے، نیز جب حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے قربانی کی شرعی حیثیت کے بارے میں دریافت کیا گیا: کیا یہ واجب ہے؟ تو انہوں نے جواباً عرض کیا:" ضحى رسول الله ﷺ والمسلمون ،

(۱) کوثر:۲ (۲) صحیح الترغیب والترھیب، از علامہ ناصر الدین البانیؒ جلد اول حدیث نمبر:۱۷۹

(۳) سنن الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ۴/۴۷

فأعادها عليه، فقال : أتعقل ؟ ضحى رسول الله ﷺ والمسلمون " .(۱) کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان قربانی ادا کرتے تھے۔اس نے اپنا سوال دہرایا تو انہوں نے کہ: کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ اللہ کے رسول اور مسلمان قربانی کرتے تھے۔ گو اس امر میں علماء کے اندر اختلاف ہے کہ قربانی کرنا واجب ہے یا سنت مؤکدہ۔ مگر اس میں شک وشبہ نہیں کہ قربانی کی بڑی تاکید آئی ہے اور استطاعت کے باوجود قربانی سے گریز کرنا خلاف شرع اور بڑی مذموم بات ہے۔

قربانی کی فضیلت: قربانی کی اہمیت وفضیلت کے متعلق متعدد احادیث عوام الناس میں معروف ومشہور ہیں لیکن ان میں سے کوئی ایک حدیث بھی صحت کے درجہ کو نہیں پہونچتی، جو بھی روایات اس بارے میں وارد ہیں ان میں سے کچھ تو بہت زیادہ ضعیف ہیں کچھ منکر، کچھ بے اصل اور بعض موضوع ومن گھڑت، اسی وجہ سے سنن ترمذی کے مشہور شارح علامہ عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوریؒ نے اپنی مایہ ناز تالیف ''تحفۃ الأحوذی'' میں علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ''قربانی کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے'' (۲) تاہم درج ذیل چند دینی ودینوی فوائد وثمرات رقم کئے جارہے ہیں جو قربانی کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔۱-قربانی خوف الٰہی وخشیت خداوندی کا بہترین ذریعہ ہے:"لن ينال الله لحومها ولادماؤها ولكن يناله التقوى منكم " (۳) اللہ تعالی کو قربانیوں کے گوشت اور خون نہیں پہونچتے بلکہ اسے تمہارے دل کی پرہیزگاری پہونچتی ہے ۔۲- قربانی تقرب خداوندی کا ایک کامیاب وسیلہ ہے:" قل إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين لا شريك له " (۴) کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی اور میرا مرنا اور جینا اس اللہ کے لئے ہے جو دونوں جہاں کا پالنے والا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔۳-قربانی دراصل سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جذبۂ ایثار وفدائیت، خلوص وللّٰہیت، صدق وصفا، تسلیم ورضا کی عظیم یادگار اور ان کی سنت کی تجدید واحیاء کا ایک اہم معاہدہ ہے۔۴-قربانی ایک ایسی اہم عبادت ہے جو انسان کے اپنے خالق حقیقی کے ساتھ صحیح تعلق کا آئینہ دار ہے۔۵-قربانی خدا سے سچی محبت کرنے والے بندہ کی صحیح علامت ونشانی ہے۔۶-قربانی اللہ تعالی سے حقیقی محبت اور اس کی رضا کے سامنے ہر چیز کو حقیر سمجھنے اور دنیا کی بڑی سی بڑی دولت کو ٹھکرا دینے کا رمز ہے۔۷-قربانی اس عظیم بندگی کا نام ہے جس کے سامنے دنیا کے بڑی سی بڑی طاقت اور عظیم سے عظیم تر متاع ایک ذرہ حقیرہ سے بھی کم تر ہے۔۸-قربانی کے ذریعہ ایک مسلمان اپنے غریب محتاج بھائیوں کو عید کی خوشی میں شریک کرتا ہے، ان کے ساتھ احسان وسلوک کرتا ہے جس سے اسلامی اخوت وبھائی چارگی، صداقت وراست بازی اور استقامت وپامردی کو عروج حاصل ہوتا ہے۔۹-قربانی ایک ایسا انقلاب آموز تیوہار ہے جس

(۱) سنن الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۴/ ۷۷،۷۸

(۲) تحفۃ الأحوذی شرح جامع الترمذی، از علامہ عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوریؒ ۵/ ۶۰، مطبوعہ دار العلمیۃ بیروت لبنان

(۳) حج: ۳۷ (۴) انعام: ۱۶۲، ۱۶۳

میں سراسر خداپرستی اور نفس کشی کی تعلیم دی گئی ہے۔

قربانی کا وقت: قربانی ادا کرنے کا وقت نماز عیدالأضحیٰ کے بعد شروع ہوتا ہے، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من ذبح قبل الصلوة فإنما يذبح لنفسه ومن ذبح بعد الصلوة فقد تم نسكه واصاب سنة المسلمين." (۱) جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا تو اس نے اپنے کھانے پینے کے لئے ذبح کیا اور جس نے نماز عید کے بعد ذبح کیا تو اس نے اپنی قربانی پورے طور پر ادا کی اور مسلمانوں کے طریقے کے مطابق عمل پیرا ہوا، عہد نبوی میں ایک صحابی نے نماز عیدالأضحیٰ سے قبل ہی قربانی کا جانور ذبح کردیا جب نماز کے بعد آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: " من كان ذبح قبل الصلوة فليعد " (۲) جس نے عیدالأضحیٰ کے دن نماز سے پہلے جانور ذبح کردیا تو اسے دوبارہ قربانی دینی چاہئے، لہذا اگر کسی نے نماز عید سے پہلے قربانی کے جانور کو ذبح کردیا تو اسے دوبارہ قربانی کرنی ہوگی۔" من ذبح أضحيته قبل أن يصلى فليذبح مكانها أخرى."(۳) جس نے عید قرباں کی نماز ادا کرنے سے پہلے قربانی کی وہ اس کے عوض ایک جانور اور ذبح کرے۔

قربانی کے ایام: اس امر میں اختلاف ہے کہ قربانی کتنے دنوں تک کی جاسکتی ہے صحیح مسلک یہ ہے کہ دسویں ذی الحجہ سے لے کر تیرہویں ذی الحجہ کا سورج غروب ہونے تک قربانی کرنا جائز اور صحیح ہے، حضرت جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" كل أيام التشريق ذبح "(۴) ایام تشریق کے سبھی دن ذبح کرنے کے دن ہیں نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:" أيام النحر يوم الأضحى وثلاثة أيام بعده" (۵) ذبح کے دن عیدالأضحیٰ کا دن اور تین دن اس کے بعد کے ہیں جو لوگ صرف ۳ دن (۱۰ویں، ۱۱ویں، ۱۲ویں،) تک قربانی صحیح ٹھہراتے ہیں ان کے پاس کوئی ٹھوس اور معتمد علیہ دلیل نہیں ہے۔

قربانی کا جانور: نصوص کتاب وسنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل آٹھ قسم کے جانور کی قربانی مسنون ومشروع ہے، اونٹ، اونٹنی، گائے، بیل، خصی، بکری اور نر و مادہ بھیڑ، اللہ تعالی نے سورہ انعام کی دو آیات کے اندر ان مذکورہ آٹھ قسم کے جانوروں کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:" من الضأن اثنين و من المعز اثنين" (۶) یعنی دنبہ میں دو قسم (نر و مادہ اور بکری میں دو قسم (نر و مادہ) مزید ارشاد خداوندی ہے :" ومن الإبل اثنين ومن البقر

(۱) صحیح البخاری مع فتح الباری ۱۰/۲۰ (۲) صحیح مسلم مع النووی ۱۳/ ۱۱۷
(۳) صحیح البخاری مع الفتح الباری ۱۰/ ۲۰، وصحیح مسلم مع النووی ۱۳/ ۱۱۷ (۴) مسند امام احمد بن حنبل ۴/ ۸۲
(۵) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: المحلی از: امام ابن حزم ۸/ ۴۵، ومرعاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح ۹/ ۲۸۸، از علامہ عبیداللہ رحمانی صاحب مبارکپوریؒ
(۶) انعام: ۱۴۳

اثنین"(۱)اور اونٹ میں سے دوقسم (نر و مادہ) اور گائے میں سے دوقسم (نر و مادہ) اس طرح آٹھ قسم کے جانور مکمل ہوجاتے ہیں۔ جہاں تک بھینس کی قربانی کا معاملہ ہے تو اس کی قربانی کا ذکر نہ تو قرآن میں ہے اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں ہے البتہ علماء احناف نے بعض ضعیف احادیث کی بنیاد پر نیز بھینس کو گائے کی جنس سے قرار دے کر اس کی قربانی کو صحیح قرار دیا ہے لیکن اس بارے میں درست بات یہ ہے کہ گائے اور بھینس کو ایک جنس سے قرار دینا صحیح نہیں ہے اس لئے اس کی قربانی سے اجتناب کرنا ہی مناسب اور زیادہ اولی ہے۔

جانور کے اوصاف: قربانی کے لئے جانور کا انتخاب کرتے وقت اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے کہ جانور دانت والا، خوبصورت، تندرست، بے عیب اور اچھے قد وقامت والا ہو، قربانی کے جانور کے لئے دانتا ہونا ضروری ہے بغیر دانتا جانور کی قربانی سوائے دنبہ کے کسی جانور کی بھی صحیح نہیں ہے چنانچہ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:" لا تذبحوا إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن" (۲) کہ تم لوگ صرف دانت والے جانوروں کو ذبح کرو اگر دانتا جانور نہ مل سکے تو ایک سال کا دنبہ ذبح کرو، قربانی کے جانور کا خوبصورت اور موٹا تازہ ہونا بھی مسنون ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمائی ہیں کہ:''رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے لئے ایک دنبہ لانے کا حکم دیا جو سینگ دار ہو اور پاؤں، سینہ اور آنکھ کے پاس کا حصہ سیاہ ہوتا کہ دیکھنے میں خوبصورت نظر آئے۔(۳) نیز سنن ابن ماجہ کے اندر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:" ضحى رسول الله ﷺ بكبش أقرن فحيل، يأكل في سواد ويمشي في سواد و ينظر في سواد" (۴) رسول اللہ ﷺ نے ایک سینگ دار نر مینڈھے کی قربانی ادا کی جسکے منہ، پیروں اور آنکھ کے گرد سیاہی تھی۔

جانور کا بے عیب ہونا: قربانی کے جانور کے لئے ضروری ہے کہ اس کے تمام اعضاء صحیح سالم ہوں اور وہ درج ذیل عیوب سے پاک وصاف ہوں، (۱) کانا یا اندھا نہ ہو (۲) ایسا لنگڑا نہ ہو کہ جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو (۳) اس کے کان آگے یا پیچھے سے پھٹے نہ ہوں (۴) اس کے کان کٹے نہ ہوں (۵) اس کے سینگ ٹوٹے ہوئے نہ ہوں (۶) ایسا بیمار نہ ہو کہ اس کی بیماری عیاں ہو (۷) اتنا دبلا نہ ہو کہ اس کی ہڈیاں مغز سے خالی ہوں، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:" لا يضحى بالعرجاء بين ظلعها، ولا بالعوراء بين عورها ، ولا بالمريضة بين

(۱) انعام: ۱۴۴
(۲) صحیح مسلم مع النووی ۱۳/ ۱۲۵
(۳) صحیح مسلم مع النووی ۱۳/ ۱۲۵
(۴) صحیح سنن ابن ماجہ ۲/ ۲۰

مرضها ولا بالعجفاء التی لا تنقی" (۱) کہ اس جانور کی قربانی نہ کی جائے جو بظاہر لنگڑا یا کانا، یا مریض یا ایسا دبلا پتلا ہو جس کی ہڈی میں گودہ نہ ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: " أن نضحی بمقابلة ولا مدابرة ، ولا شرقاء ولا خرقاء "(۲) کہ ہم سب ایسی قربانی نہ کریں جس کا کان آگے یا پیچھے سے کٹا ہو یا لمبائی میں چرا ہو یا اس میں سوراخ ہو، نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک دوسری حدیث میں یوں وارد ہے کہ:"نهی رسول الله ﷺ أن یضحی بأعضب القرن "(۳) آپ ﷺ نے ایسے جانور کی قربانی سے منع فرمایا جس کی سینگ ٹوٹی ہو۔

قربانی کے جانور میں شرکت: بکرا، بکری اور بھیڑ نر و مادہ گھر کے تمام افراد کی طرف سے ایک ہی کافی ہے اگر چہ افراد خانہ کثیر تعداد میں ہی کیوں نہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن ھشام فرماتے ہیں کہ:" کان رسول الله ﷺ یضحی بالشاة الواحدة عن جمیع أهله" (۴) کہ آپ اپنے گھر کے تمام افراد کی طرف سے ایک بکری قربانی کرتے تھے اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ ہیں کہ:"کان الرجل فی عهد رسول الله ﷺ یضحی بالشاة عنه وعن جمیع أهل بیته" (۵) رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک آدمی ایک بکری اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربانی کرتا تھا، البتہ بیل وگائے کی قربانی میں سات آدمی اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:" کنا مع رسول الله ﷺ فی سفر، فحضر الأضحی فاشترکنا فی البقرة سبعة وفی البعیر عشرة " (۶) ہم لوگ اللہ کے رسول کے ہمراہ سفر میں تھے کہ قربانی آ گئی، پس ہم میں سے سات سات آدمی ایک گائے میں اور دس دس آدمی ایک اونٹ میں شریک ہوئے۔

جانور ذبح کرنے کا طریقہ: متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت حسب ذیل باتوں کا خیال مسنون ہے(۱) قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا چاہئے (۲) ذبح کرنے سے پہلے چھری تیز کر لینی چاہئے (۳) جانور کے کاندھے پر پاؤں رکھ کر ذبح کرنا چاہئے (۴) جانور کو قبلہ رخ اور بائیں کروٹ لٹا کر یہ دعا پڑھنی چاہئے:" بسم الله الله أکبر "(۷) اس کے بعد جانور ذبح کیا جائے اور اگر قربانی اپنی طرف سے کرنی ہو تو یوں کہا جائے :"اللهم تقبل منی "اور اگر دوسرے کی طرف سے قربانی کرنی ہو تو:"اللهم تقبل من فلان" کہا جائے۔(۸)

جانور ذبح کرنے کا مسنون طریقہ تو یہی ہے کہ آدمی خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے لیکن اگر کوئی عذر مانع ہو جس کی

(۱) صحیح سنن الترمذی ۲/ ۸۸ (۲) سنن الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۴/۳۷
(۳) سنن ابن ماجہ ۲/ ۱۰۵۱ (۴) صحیح سنن الترمذی ۲/ ۸۹
(۵) صحیح سنن الترمذی ۲/ ۹۰ (۶) صحیح سنن الترمذی ۲/ ۸۹
(۷) مسند احمد ۳/ ۳۷۵ (۸) فتح الباری شرح صحیح البخاری از حافظ ابن حجرؒ ۱۰/ ۲۲

وجہ سے وہ خود نہیں کرسکتا تو دوسرے سے ذبح کراسکتا ہے البتہ ذبح کرتے وقت وہاں موجود رہنا افضل ہے۔(۱)

جو لوگ قربانی کے جانور نہیں ذبح کرتے ہیں بلکہ قصاب وغیرہ سے ذبح کراتے ہیں تو ایسی صورت میں قصاب کو اجرت ومزدوری اپنے پاس سے دیں، جانور کے گوشت یا کھال کو بطور اجرت دینا جائز نہیں ہے۔(۲)

قربانی کا گوشت: قربانی کا گوشت آدمی خود کھائے، اہل وعیال کو کھلائے اور دوستوں، رشتہ داروں، پڑوسیوں، غریبوں، مسکینوں اور سائلوں کو بھی دے، اللہ تعالی قربانی کے گوشت کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: "فکلوا منہا واطعموا البائس الفقیر" (۳) پس تم خود اس میں سے کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ، دوسری آیت میں فرماتا ہے: "فإذا وجبت جنوبہا فکلوا منہا واطعموا القانع والمعتر" (۴) پھر جب ان کے پہلو زمین سے لگ جائیں تو اسے خود بھی کھاؤ اور مسکین سوال سے رو کنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ۔

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے قربانی کے گوشت کے تین حصے کئے جائیں، ایک اپنے لئے، دوسرا ملاقاتیوں اور رشتہ داروں کیلئے اور تیسرا سائلین اور معاشرہ کے ضرورت مند افراد کے لئے جس کی تائید میں یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے تمہیں (پہلے) تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت ذخیرہ کر کے رکھنے سے منع کیا تھا لیکن اب تمہیں اجازت ہے کہ کھاؤ اور جو مناسب سمجھو ذخیرہ کرو“ دوسری روایت کے الفاظ ہیں: ”پس کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو“(۵)

قربانی کی کھال: قربانی کی کھال کی بابت علماء کا اتفاق ہے کہ اسے یا تو اپنے گھریلو استعمال میں لاؤ یا صدقہ کردو، اسے فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ: "استمتعوا بجلودہا ولا تبیعوہا"(۶) قربانی کی کھالوں سے فائدہ اٹھاؤ اور اسے فروخت نہ کرو، تاہم بعض علماء نے کھال کو خود بیچ کر اس کی قیمت فقراء پر تقسیم کرنے کی رخصت واجازت دی ہے۔(۷)

حرف آخر: یہ ہیں قربانی سے متعلق بعض ضروری احکام ومسائل جنہیں اختصار کے ساتھ نصوص کتاب وسنت کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے لیکن سب سے عظیم اور بڑی چیز جس کا قربانی اور دیگر عبادات میں خیال رکھنا ضروری ہے وہ ہے ”اخلاص“ اس لئے اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالی ہم تمام مسلمانوں کو خلوص وللّٰہیت کے ساتھ قربانی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین (وتقبل یارب العالمین)



(۱) ملاحظہ ہو: مرعاۃ المفاتیح ۷۶/۵　(۲) صحیح مسلم مع النووی ۷۱/۹　(۳) حج ۲۸۔

(۴) حج: ۳۶۔　(۵) صحیح البخاری مع الفتح ۲۵/۱۰ وصحیح مسلم مع النووی ۱۲۹/۱۲

(۶) مسند امام احمد بن حنبل ۱۵/۴　(۷) دیکھئے: مرعاۃ المفاتیح ۳۶۹/۲

مسلمانان ہندکودرپیش تعلیمی واقتصادی چیلنجز اوران کاحل

کبیرالاسلام پاکوڑی
ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز
ہمدردیونیورسٹی،نئی دہلی

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم، أما بعد:

آج ہم اکیسویں صدی میں جی رہے ہیں،اس صدی کی ضروریات وحاجات اورتقاضے بھی بدلے ہوئے ہیں،نئی نئی چیزوں کی ایجادات واختراعات زندگی کے وسائل میں بہت آسانیاں پیدا کررہی ہیں، ملک میں کثیرقومی کمپنیوں کی آمد سے روزگار کے بہت سارے مواقع کھل رہے ہیں۔ باصلاحیت افراد کی مانگ بڑھ رہی ہے۔ پرائیویٹ سیکٹر (Private Sector) میں اچھی تنخواہ کے ساتھ ساتھ اچھی سہولتیں بھی مل رہی ہیں۔ملک کی تعلیمی واقتصادی برق رفتارترقی سے ہندوستان کوپوری دنیامیں ایک نئی پہچان مل رہی ہے۔لیکن ہم مسلمانان ہندکی زندگی کاایک حددرجہ افسوسناک اورالمناک پہلو یہ ہے کہ ہم تعلیمی ومعاشی اعتبار سے پسماندہ اوردرج فہرست ذاتوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ابترزندگی گذاررہے ہیں، جیسا کہ سچرکمیٹی کی رپورٹ سے واضح ہے،رپورٹ کے چندحقائق معززقارئین کی خدمت میں پیش کرنا مناسب اورضروری معلوم ہوتا ہے، جونہ صرف چونکادینے والے ہیں، بلکہ جن سے ہندوستانی مسلمانوں کی ناخواندگی، بےروزگاری اورستم ظریفی سے پردہ اٹھتاہےاورجن کودیکھ کرکلیجہ منہ کوآتا ہے،مثال کےطورپرکمیٹی کےسروے سے یہ حقیقت سامنےآئی ہے کہ خط افلاس سے نیچے زندگی گذارنے والےمسلمانوں کاتناسب ۳۱رفیصد ہے،اوراس سے سنگین اورخطرناک معاملہ یہ ہے کہ ان غریب مسلمانوں کو سرکاری راشن بھی صحیح ڈھنگ سےنہیں ملتا،جبکہ غریبی سے نیچےزندگی گزارنے والےلوگوں کوسستی دروں پرراشن مہیاکرایاجاتا ہے،اس چونکادینے والےسروے میں ایک بات یہ سامنےآئی ہے کہ سبسڈی کےساتھ قرض حاصل کرنے والےمسلمانوں کی تعدادفقط %3.20 فیصد ہے، اورسرکاری سبسڈی فوڈ پروگرام(Food Programme) سے فائدہ اٹھانے والے مسلمانوں کی تعدادمحض %1.90 فیصد ہے،گاؤں اوردیہاتوں میں رہنے والےایسےمسلمانوں کی تعداد %60.20 فیصد ہےجن کے پاس کوئی زمین نہیں ہے۔شہرمیں رہنے والےایسےمسلمانوں کی تعداد %40 فیصد ہےجنہوں نے اسکول کی کچھ تعلیم حاصل کی ہےیعنی %60 فیصدمسلمان کبھی اسکول نہیں گئے،اورسب سے زیادہ حیرت انگیزاورتعجب کی بات یہ ہے کہ دیہاتوں میں رہنے والےمسلمان گریجویٹ(Graduate) کاتناسب %0.80 فیصد ہے،اورشہروں میں رہنے والے

گریجویٹ مسلمانوں کا تناسب 31% فیصد ہے، اسی طرح شہر میں پڑھنے والے پوسٹ گریجویٹ (Post Graduate) مسلمانوں کا تناسب 1.52% فیصد ہے، ساتھ ہی ساتھ تین کروڑ مسلم بچوں نے اسکول اور مدرسہ کی شکل تک نہیں دیکھی۔قومی اقلیتی کمیشن کی ویب سائٹ کے ذریعہ متحیر کرنے والی جو تصویر سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ قد چھوٹا ہونے کے معاملہ میں مسلمانوں کا پہلا نمبر ہے، پیدائش کے وقت کم وزن کے معاملہ میں مسلمانوں کا دوسرا نمبر ہے، 6 سے 14 برس کے مسلم بچوں میں 25 فیصد نے اسکول یا مدرسے کی شکل نہیں دیکھی، یا پڑھائی چھوڑ دی، صرف 4 فیصد بچے مدرسے میں نام لکھاتے ہیں، 61 فیصد مزدور اپنا کام خود کرتے ہیں، صرف 55 فیصد ہندو اپنا کام خود کرتے ہیں، 24 فیصد سے کم مسلمان پبلک سیکٹر(Public Sector) میں باقاعدہ یا سرکاری ملازمت کرتے ہیں، 12 فیصد مسلمان سڑکوں پر مال بیچتے ہیں، ان کا قومی اوسط 8 فیصد ہے، دفاعی کارکنوں میں مسلمانوں کی نمائندگی 4 فیصد ہے، 73 فیصد مسلم کارکن بغیر کسی تحریری معاہدے کے کام کرتے ہیں، ہندوؤں میں یہ تناسب 52 فیصد ہے، 71 فیصد مسلم کارکنوں کو کسی طرح کا اقتصادی تحفظ حاصل نہیں ہے، ان کا قومی تناسب 55 فیصد ہے۔

قابل غور امر

مذکورہ اعداد وشمار سے ایک بات یہ سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کو تعلیم کے ساتھ ساتھ صحت کی طرف بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے، پولس، فوج اور ریلوے سب سے زیادہ روزگار دینے والے ادارے ہیں، ان میں قد، وزن اور صحت سینہ کی خاص اہمیت ہے، روزگار میں کامیابی کو اچھی صحت سے الگ نہیں کیا جاسکتا ہے، ان حقائق کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مسلمانان ہند تعلیمی اور اقتصادی اعتبار سے اپنے برادران وطن سے ہر اعتبار سے 50 سال پیچھے ہیں، جو نہ صرف مسلمانوں کی بدقسمتی ہے بلکہ اس سے ہندوستان کی ترقی میں بھی رکاوٹ پیدا ہورہی ہے، کیونکہ کسی بھی ملک کی اتنی بڑی آبادی کی ہر محاذ پر محرومی، نظر اندازی اور پچھڑاپن ملک کو آگے نہیں بڑھنے دیتی، جمہوری ملکوں میں عوامی نمائندے محروم طبقات کی فلاح وبہبود اور تعمیری وترقی کے لئے خود کو وقف کردیتے ہیں، لیکن چونکہ یہاں معاملہ ہندوستانی لیڈروں اور رہنماؤں کا ہے اور پچھڑے پن کے شکار مسلمان ہیں، لہذا اگر انہیں آگے بڑھنے نہیں دیا گیا، اور ان کی تعمیر وترقی میں رکاوٹیں پیدا کی گئیں تو تعجب کی کیا بات ہے؟ کیونکہ یہ ایک کڑوا سچ ہے کہ سرکاری مشنری مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرتی ہے، اور سیاسی پارٹیاں فقط ان کے ووٹوں کی بھوکی ہیں، مسلمان ان کو اپنا قیمتی ووٹ دیتے ہیں اور وہ اقتدار میں آتے ہی ان کو بھول جاتی ہیں، ہمارے نام نہاد سیاست داں بس یہ چاہتے ہیں کہ ہماری شان وشوکت، جاہ وحشمت، قیادت وسعادت، امارت وحکومت اور گدی برقرار رہے، باقی مسلمان جائیں بھاڑ میں، کتنی سچی بات کہی ہے شاعر نے:

سنا کرو میاں! ان کے اُن کے افسانے
سب اجنبی ہیں یہاں! کون کس کو پہچانے

نیز نام نہاد، موقع پرست ابن الوقت مسلم لیڈروں اور دلالوں نے سادہ لوح مسلمانوں کو جم کر لوٹا، اگر مسلمان ڈاکٹر

عبدالجلیل فریدی صاحب کے مشن کو سمجھتے تو یقیناً اس کی حالت بہتر ہوتی مگر مسلمان، رہبر کی پرکھ نہ کرکے ہر تیز چلنے والے کے ساتھ چلتا گیا، بقول غالب:

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

معزز قارئین!

دلچسپ بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی حالت زار کا پتہ لگانے کے لئے سب سے زیادہ کمیٹیاں کانگریس کے دور اقتدار میں تشکیل دی گئی ہیں، ہندوستان کے 61 سالہ دور میں (آزادی کے بعد) 40 سال سے زائد عرصہ تک بلاشرکت غیر، کانگریس حکومت کرتی رہی اور اس وقت اس کا خیال نہیں آیا اور اب جبکہ چند صوبائی پارٹیوں کی مدد سے اقتدار میں آئی ہے تو اسے فکر لاحق ہوئی کہ اس قوم کی حالت کو سابقہ رپورٹوں کے تناظر میں سیاسی مفاد کی خاطر مواز نہ کریں کہ کہیں یہ قوم اندھیرے سے اجالے میں تو نہیں آگئی ہے، مگر مچھ کے آنسو بہانے والے لیڈران کو فکر لاحق ہوئی کہ مسلمانوں کو ان کی بے بسی اور کسمپرسی کی دہائی دے کر ان کو یہ باور کرایا جائے کہ حکومت وقت مسلمانوں کے تئیں سنجیدہ اور فکر مند ہے، حالیہ سچر رپورٹ کو مُہرا بنا کر ان کو پھر لبھانے کے لئے متعدد لالی پاپ پروگرام بنائے جارہے ہیں، جن کا زمینی حقائق سے کوئی تعلق نہیں، مشہور صحافی جناب انل چمڑیا صاحب کے بقول: ''کوئی ایک مثال سامنے رکھی جائے، جس میں کہ حکومت نے بڑی مضبوطی کے ساتھ مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی کو دور کرنے کے لئے کوئی ایک فیصلہ لیا ہو''۔ (دستاویز روزنامہ راشٹریہ سہارا اردو یکم جون ۲۰۰۸ء)

آج مسلمانان ہند کے ساتھ یہ ناانصافی اور امتیازی سلوک ہوتے ہوئے 61 سال کا طویل عرصہ گذر چکا ہے مگر عملی طور پر ان کے لئے کچھ بھی نہیں کیا گیا ہے، یاد رکھیں ایک سچر کمیٹی کی رپورٹ کیا ہزاروں کمیٹیاں اپنی رپوٹیں پیش کریں کچھ ہونے والا نہیں جب تک مسلمان اپنی تعلیم اور قیادت کو مضبوط نہیں کرے گا، ملت اسلامیہ ہند کو حکومتوں کی جانب سے تیار کرائی گئی رپورٹوں کو پڑھتے اور سنتے ہوئے ایک لمبی مدت گذرگئی، کسی چیز کی کوئی حد ہوتی ہے، ایک مکمل نسل کمیٹیوں کے تجربات کی بھینٹ چڑھ گئی، پھر بھی مسلمان ایکشن ٹیکن رپورٹ(Action taken Report)، مانیٹرنگ کمیٹی (Minotring Committee)، اور ہائی پاور کمیٹی (High Power Committee) جیسے بے شمار کمیٹیوں کی رپورٹوں کے سہارے جی رہا ہے، جو نہایت افسوسناک بات ہے، اہل سیاست کو ہمیشہ عہدہ ومنصب چاہئے، وہ ہمیشہ اقتدار اور کرسی کے بھوکے ہوتے ہیں، ان سے خیر کی امیدیں اور توقعات رکھنا ایک دھوکہ ہے، لہذا تحفظات اور دوسروں کی بیساکھیوں کا سہارا نہ لیکر ایک زندہ وجاوید قوم کی طرح اپنی صلاحیتوں کو اساس بنائیں، نیز یہ امید بھی نہ رکھیں کہ عنقریب آسمان سے کوئی فرشتہ اتر آئے گا، اور دیکھتے ہی دیکھتے ہماری کایا پلٹ جائے گی، اب آسمان سے کوئی فرشتہ نازل نہیں ہوگا، جو نسخۂ کیمیا ملنا تھا وہ ہمارے آخری نبی حضرت محمد عربی ﷺ کے ذریعہ کتاب وسنت کی شکل میں مل چکا ہے، اب محنت اور حرکت وعمل کے ذریعہ اسی نسخۂ کیمیا کی روشنی میں ہمیں کامیابی کی راہیں تلاش کرنی ہوں گی۔ 1857 کے بعد ملک کی فضا بدلی، حاکم قوم محکوم ہوگئی، تو قوم کا نفسیاتی

طور پر ٹوٹ جانا سمجھ میں آتا ہے مگر خواب غفلت میں پڑے رہنا آج تک سمجھ میں نہیں آیا، اجتماع امت جیسی ترکیب اور دور اندیشی جیسی تدبیر سے نہ پہلے کام لیا گیا اور نہ اب لیا جارہا ہے، تھوڑے سے اختلاف پر ڈیڑھ اینٹ کی مسجد اور مدرسہ الگ بنانے کے لئے آستین سمیٹ لینا ہمارا شیوہ بن چکا ہے، اور جبکہ اغیار مسلمان مخالف اجتماعیت کے نام پر ہر جگہ مفاہمت کررہے ہیں۔لہذا وقت اور حالات کا تقاضا ہے کہ تمام تر فروعی اختلافات کو بھلا کر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں، تو ان شاء اللہ تعالی مسلم معاشرہ میں تعلیمی اور اقتصادی تبدیلی ضرور آئے گی۔کیونکہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ قوم کی ترقی اور بقا کا کوئی دائمی فارمولہ ہے تو وہ تعلیم ہی ہے، لہذا تعلیم کی طرف خصوصی توجہ دینی ہوگی، آج اگر ملک کے اچھے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلم طالب علموں کی تعداد بہت کم ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ عصر حاضر اور زمانے کے تقاضوں سے لاعلمی اور قنوطیت ہے، کم پڑھے لکھے مسلم والدین کے سامنے دولت وثروت کے باوجود بچوں کے مستقبل کے لئے کوئی منظّم پروجیکٹ(Project) نہیں ہوتا ہے، نیز آج کے دور میں خواتین کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینی ہوگی، کیونکہ ایک لڑکے کی تعلیم اس کی تعلیم ہے، مسلم والدین لڑکوں کو تعلیم دلانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں، لیکن اپنی لڑکیوں کو تعلیم دلانا عموماً سماجی اعتبار سے معیوب سمجھتے ہیں، آج ہماری نسل کی خواندگی اور ان کی درست نشوونما اور مناسب تربیت نہ ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ سماج کی مائیں ہی ناخواندہ اوراَن پڑھ ہیں، اگر ہم دختران ملت کی تعلیم وتربیت کے تعلق سے اپنے نظریے اور اپنی سوچ میں تبدیلی لائیں تو سماج میں بڑا انقلاب اور صحت مند تبدیلی آسکتی ہے، صالح ونیک معاشرہ اور تعلیم یافتہ سماج کی تشکیل میں ماؤں کی اسی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے فرانسیسی فاتح نپولین بوناپارٹ نے یہاں تک کہہ دیا کہ ''تم ہمیں اچھی مائیں دو ہم تمہیں اچھی قوم دیں گے''، یہ صرف قلم کی تحریر ہی نہیں بلکہ تجربہ بھی شاہد ہے۔اگر اسلامی تعلیمات کی بات کریں تو کہیں سے بھی وہ خواتین کی تعلیم وتربیت کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی ہیں۔قرآن کریم کا آغاز ہی لفظ "اقرأ" یعنی پڑھ سے ہوا ہے، اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے''، لہذا تعلیم وتربیت میں عورتیں برابر کی شریک ہیں۔

آئیے ہم اور آپ سچے دل سے یہ عہد وپیماں کریں کہ اسلامی معاشرہ میں تعلیم کے فروغ کے لئے دامے درمے قدمے سخنے تعاون کریں گے اور جہالت کے اندھیرے کو سو فیصد تعلیم کی روشنی میں تبدیل کر کے ہی دم لیں گے، نیز ہم اور آپ یہ عہد کریں کہ اپنے مسائل دوسروں سے حل کرانے اور حکومت وقت کے سامنے دست سوال دراز نہ کر کے خود حل کریں گے۔ بہتر اور خوشحال زندگی جینے کے لئے خود اپنا محاسبہ کریں گے، معاشرتی، تعلیمی اور اقتصادی زندگی میں سدھار لانے کے لئے ایک فیصلہ کن جنگ چھیڑ دیں۔

خداوند قدوس سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس مشن اور اس نیک ارادے میں کامیابی وکامرانی عطا فرمائے، آمین۔

سبق پڑھ پھر صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

☆☆☆

وضو کے احکام ومسائل کتاب وسنت کی روشنی میں

(۲)

مولانا عبدالولی عبدالقوی سلفی
مکتب دعوۃ وتوعیۃ الجالیات، سعودی عرب

سونے کے وقت:

براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" اذا أتيت مضجعك فتوضأ وضوءك للصلاة ثم اضطجع على شقك الأيمن ...... "

''جب تم اپنی خواب گاہ میں جانے لگو تو نماز کی طرح وضو کرو، پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جاؤ'' ....آخر تک۔

(بخاری، دعوات، باب اذا بات طاھرا، ح:۶۳۱۱، مسلم، الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب مایقول عندالنوم وأخذ المضجع ح:۲۷۱۰)

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" ما من مسلم يبيت طاهرا على ذكر الله فيتعار من الليل فيسأل الله خيرا من أمر الدنيا والآخرة الا أعطاه الله اياه "۔

جو مسلمان باوضو ہو کر اللہ کے ذکر پر رات گزارتا ہے اور رات میں کروٹیں بدلتے ہوئے اللہ سے دنیا وآخرت کی جس بھلائی کا سوال کرتا ہے اللہ تعالی اسے عطا کر دیتا ہے۔ (نسائی الکبری ۶/۲۰۲، المعجم الکبیر ۲۰/۱۱۸، المعجم الاوسط ۲/۱۳۹، ح: ۱۵۰۵، مسند عبد بن حمید ح:۳۰۷، ح:۱۲۶، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح الترغیب والترہیب: ۱/۳۸۵، ح:۵۹۸، مشکاۃ المصابیح ۱/۲۶۹، ح:۱۲۱۵)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" من بات طاهرا بات فى شعاره ملك فلا يستيقظ الا قال الملك: اللهم اغفر لعبدك فلان فانه بات طاهرا "۔

جو شخص باوضو ہو کر رات گزارتا ہے تو اس کے بستر میں ایک فرشتہ بھی رات گزارتا ہے، چنانچہ وہ جب بھی بیدار ہوتا ہے، فرشتہ کہتا ہے: اے اللہ تو اپنے فلاں بندے کو بخش دے کیونکہ اس نے باوضو ہو کر رات گزاری ہے۔ (صحیح ابن حبان ۳/۳۲۸،

ح:۱۵۵۱،شعب الایمان ۲۸/۳ ح:۲۷۸۰،علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، دیکھئے: صحیح الترغیب والترہیب ۳۸۵/۱ ح ۵۹۷،سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ۴۰/۶ ح ۲۵۳۹)

(۳)وضوٹوٹ جانے کے وقت:

بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز صبح کی،تو بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا: اے بلال کس عمل کی بنا پر تم مجھ سے جنت میں آگے ہوتے ہو؟ میں گذشتہ شب جنت میں داخل ہوا تو تمہارے جوتوں کی چاپ کو اپنے آگے سنا،تو بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: میں جب بھی اذان دیتا ہوں دو رکعت پڑھ لیتا ہوں اور جب بھی میرا وضوٹوٹ جاتا ہے، میں وضو کر لیتا ہوں ....۔(ترمذی، المناقب، باب مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب ح ۳۶۸۹،علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح الترمذی ۲۰۵/۳ ح ۲۹۱۲،صحیح الترغیب والترہیب ۱۹۹/۱ ح ۲۰۱)

(۴)ہر نماز کے وقت:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اگر میری امت کو دشواری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت وضو کا اور ہر وضو کے ساتھ مسواک کا (واجبی) حکم دیتا۔''(مسند احمد ۲۵۸/۲،علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح الترغیب والترہیب ۱۹۸/۱ ح ۲۰۰)

(۵)جنبی جب کھانے کا ارادہ کرے:

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب جنبی ہوتے اور کھانے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو نماز جیسا وضو کرتے''۔(مسلم،الحیض، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء لہ وغسل الفرج ح ۳۰۵)

(۶)دوبارہ ارادۂ جماع کے وقت:

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب کوئی اپنی بیوی سے جماع کرے اور پھر دوبارہ جماع کرنا چاہے،تو اسے چاہئے کہ وضو کرے''۔(مسلم، الحیض، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء لہ وغسل الفرج ح ۳۰۸)

(۷)جنبی جب بغیر غسل کے سونا چاہے:

عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ ﷺ بحالت جنابت سو جاتے تھے؟ انہوں نے کہا:''ہاں'' صرف وضو کر لیتے تھے۔(بخاری،الغسل، باب کینونۃ الجنب فی البیت اذا توضأ قبل أن یغتسل ح ۲۸۶)

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ حالت جنابت میں سونے کا ارادہ کرتے تو اپنی شرمگاہ دھو کر نماز جیسا وضو کر لیتے۔ (بخاری، الغسل، باب الجنب یتوضأ ثم ینام ح ۲۸۸)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، مجھے رات کو جنابت لاحق ہو جاتی ہے (تو میں کیا کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی شرمگاہ دھو کر وضو کر لو اور سو رہو۔ (بخاری، الغسل، باب الجنب یتوضأ ثم ینام ح ۲۹۰)

(۴) وضو کے شرائط:

وضو کے لئے کچھ شرائط ہیں، حسب مقدور ان شرطوں کے پائے جانے ہی پر وضو کی صحت کا دارومدار ہے، چنانچہ جس سے ان شرطوں میں سے کوئی شرط فوت ہو گئی اس کا وضو صحیح نہیں ہوا۔

ہم ذیل میں ان شرطوں کا ذکر کرتے ہیں:

(۱،۲،۳) اسلام، عقل، تمیز:

چنانچہ کسی کافر، دیوانہ اور بے شعور چھوٹے بچے کا وضو صحیح نہیں ہے۔

(۴) وضو کی صحت کے لئے نیت شرط ہے، لہٰذا وضو کرنے والا وضو شروع کرنے سے پہلے دل میں وضو کی نیت کرے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " انما الأعمال بالنیات وانما لکل امریء ما نوی ".

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی چیز حاصل ہوتی ہے، جس کی اس نے نیت کی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وضو، غسل اور تیمّم کی صحت کے لئے نیت شرط ہے''۔ (طبقات الشافعیۃ للسبکی ج ۵/ص ۱۶۵)

☆ نیت کا وقت:

نیت کا وقت وضو شروع کرنے کے ساتھ ہے اور اگر وضو شروع کرنے سے تھوڑا سا پہلے نیت کر لے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وضو یا کسی بھی عمل کے شروع کرنے سے پہلے اس عمل کے آغاز کے ساتھ ہی نیت کرنا ضروری ہے اور نیت اور اس عمل کے درمیان تھوڑا یا زیادہ فاصلہ نہ ہو''۔ (المحلی: ۱/۶۹)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''ہاتھ دھلنے اور بسم اللہ پڑھنے سے پہلے نیت کرنا مستحب ہے تاکہ یہ نیت وضو کے فرائض ومسنونات سبھی کو شامل

ہوجائے ، اگر ہتھیلیاں نیت سے پہلے ہی دھولے تو یہ نہ دھلنے کے حکم میں ہے، طہارت شروع کرنے سے تھوڑا سا پہلے نیت کر لینا جائز ہے اور اگر نیت بہت پہلے کر لے، یہاں تک کہ نیت اور اس عمل کے آغاز میں ایک لمبا فاصلہ ہوجائے تو یہ نیت کافی نہیں ہے''۔(المغنی ۱/۱۵۹، الکافی ۱/۵۲، الانصاف ۱/۱۵۰)

چونکہ نیت دل کے عزم وارادہ کا نام ہے اس لئے نیت دل سے کی جائے گی، زبان سے پڑھی نہیں جائے گی۔

نیز وضو کرنے والے پر واجب ہے کہ وضو کے مکمل ہونے تک اپنی نیت پر باقی رہے، چنانچہ نہ تو اپنی نیت کو دوران وضو توڑے اور نہ ہی نیت کردہ عمل کے منافی کوئی دوسرا کام کرے، نیز مستحب ہے کہ وضو کرنے والا دوران وضو اپنی نیت کو ذہن میں حاضر رکھے، اگر نیت اس کے ذہن سے اوجھل ہوگئی، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔(الروض المربع ۱/۱۵۴، المغنی ۱/۱۵۹)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وضو کے شروع ہی میں نیت کر لینا افضل ہے اور وضو سے فارغ ہونے تک نیت کو ذہن میں رکھنے کے استحباب پر اہل علم کا اتفاق ہے''۔(المجموع:۱/۳۸۰)

امام بہوتی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''وضو کرنے والے کے لئے اپنی نیت کو دل میں برابر یاد رکھنا مستحب ہے، بایں طور کہ پورے وضو کے دوران نیت اس کے ذہن ودماغ میں ہو، تاکہ تمام تر اعمال نیت کے ساتھ انجام پائیں''۔(کشاف القناع ۱/۹۰)

اور اگر دوران وضو نیت کے بارے میں شک ہوجائے کہ نیت کی یا نہیں، تو نئے سرے سے نیت کرے اور از سر نو وضو شروع کرے اور اگر وضو سے فراغت کے بعد نیت کے بارے میں شک ہوجائے تو اس پر کوئی توجہ نہ دے۔(المغنی ۱/۱۶۰)

ابو اسحاق الحنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر وضو کرنے والے کو دوران وضو نیت کے بارے میں شک ہوجائے، تو از سر نو دوبارہ وضو کرے، لیکن اگر وسوسہ کی طرح مجرد وہم ہو تو اس پر کوئی توجہ نہ دے''۔(المبدع ۱/۱۲۰، الروض المربع ۱/۳۳)

(۵) پانی کا پاک ہونا:

وضو کے لئے شرط ہے کہ پانی پاک ہو، چنانچہ ناپاک پانی سے وضو درست نہیں ہے۔

(۶) پانی کا جائز ہونا:

غصب کئے ہوئے، چرائے ہوئے یا کسی بھی غیر شرعی طریقہ سے حاصل کئے ہوئے پانی سے وضو درست نہیں ہے، کیونکہ وضو کے لئے پانی کا جائز ہونا شرط ہے۔

(۷) وضو سے پہلے پانی یا مٹی سے استنجاء کرنا:

بعض فقہاء نے کہا ہے: وضو سے پہلے پانی یا مٹی سے اپنی اگلی یا پچھلی شرمگاہ سے نجاست کو زائل کرنا وضو کے شرائط میں سے ہے، چنانچہ اگر کسی نے پانی یا مٹی سے اپنی شرمگاہ کو صاف کئے بغیر وضو کرلیا تو اس کا وضو صحیح نہیں ہوا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''سنت ہے کہ وضو سے پہلے استنجا کرلے، تاکہ (اس) اختلاف سے بچ سکے (جنھوں نے وضو سے پہلے پانی یا مٹی سے استنجا کو شرط قرار دیا ہے) اور اپنے وضو کے ٹوٹنے سے مطمئن رہے''۔ (المجموع ۱۲۹/۲)

(۸) چمڑے تک پانی کے پہنچنے میں رکاوٹ چیز کو زائل کرنا:

وضو کرنے والے کو چاہئے کہ اعضائے وضو سے اس چیز کو زائل کرے جو چمڑے تک پانی کے پہنچنے میں رکاوٹ ہو، مثلا مٹی، پینٹ یا اس طرح کی دیگر چیزیں۔

(۹) وضو کو واجب کردینے والی چیزوں کا ختم ہونا:

مثلا کسی شخص نے اپنے چہرہ اور ہاتھ کو دھویا، پھر اسے ہوا خارج ہوگئی، تو اس پر نئے سرے سے وضو کا دوہرانا لازم ہے۔ (مذکورہ بالا شرائط کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الملخص الفقہی ۴۰، منار السبیل ۳۷/۱، الاقناع للحجاوی ۳۷/۱)

(۵) وضو کے فرائض:

وضو کے کچھ فرائض وارکان ہیں ایک مسلمان کے لئے ان کا اہتمام غایت درجہ اہم ہے، کیونکہ ان فرائض کے عمدا یا سہوا چھوٹ جانے یا ان کو صحیح طور پر انجام نہ دینے کی صورت میں وضو فاسد ہوجاتا ہے اور بندہ مسلم پر دوبارہ وضو لازم ہوتا ہے۔

ہم ذیل میں ان فرائض وارکان کا ذکر کرتے ہیں:

(۱) چہرہ کا دھونا:

وضو کے ارکان میں سے ہے کہ چہرے کو ایک بار پورے طور پر کلی کرکے، ناک میں پانی ڈال کر اور ناک کو جھاڑ کر دھلا جائے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالی نے چہرہ کو دھونے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ فاغسلوا وجوھکم ﴾ اپنے چہروں کو دھلو۔

☆ چہرہ کی حد:

چہرہ کی حد لمبائی میں سر کے بال اگنے کی جگہ سے لے کر ٹھوڑی کے آخری حصہ تک اور چوڑائی میں دونوں کانوں کا درمیانی حصہ ہے۔ (مختصر تفسیر البغوی ۲۱۴/۱، تیسیر العلام شرح عمدۃ الاحکام ۳۷/۱)

واضح رہے کہ منہ اور ناک چہرہ میں داخل ہیں، لہذا جس نے چہرہ دھویا، لیکن کلی کیا نہ ہی ناک میں پانی ڈال کر ناک جھاڑا یا ان میں سے کسی ایک کو عمدا یا سہوا چھوڑ دیا، تو اس کا وضو صحیح نہیں ہوا۔

رسول اللہ ﷺ نے وضو کرتے ہوئے کلی کیا اور ناک میں پانی ڈال کر ناک کو جھاڑا اور امت کو اس کا حکم دیا۔

لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" اذا توضأت فمضمض " جب وضو کرو تو کلی کرو۔ (ابوداود، الطہارۃ، باب فی الاستنثار ح ۱۴۴، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے: صحیح ابوداود: ۱/۳۰، ح:۱۳۱)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " اذا توضأ أحدكم فليجعل فى أنفه ماءا ثم لينثر "۔ جب کوئی وضو کرے تو اپنی ناک میں پانی ڈال لے، پھر اسے جھاڑ دے۔ (مسلم، الطہارۃ، باب الایتار فی الاستنثار والاستجمار ح ۲۳۷)

لقیط بن صبرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " وبالغ فى الاستنشاق الا أن تكون صائما " اگر روزہ سے نہ ہو تو ناک میں پانی اچھی طرح چڑھاؤ۔ (ابوداود ح:۱۴۲)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " من توضأ فليستنثر " جو شخص وضو کرے وہ ناک جھاڑے۔ (بخاری، الوضوء، باب الاستنثار فی الوضوء، ح:۱۶۱، مسلم، الطہارۃ، باب الایتار فی الاستنثار والاستجمار ح ۲۳۷)

(۲) کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کا دھونا:

وضو کرنے والا کہنیوں سمیت اپنے دونوں ہاتھوں کو دھلے، کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ وأيديكم الى المرافق ﴾ اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دھلو کہنیوں سمیت۔

پہلے دائیں ہاتھ کو پھر بائیں کو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " واذا توضأتم فابدءوا بأيامنكم " جب وضو کرو تو دائیں جانب سے شروع کرو۔ (ابواود، اللباس، باب فی الانتعال ح ۴۱۴۱، ابن ماجہ، الطہارۃ وسننہا، باب التیمم فی الوضوء ح:۴۰۲، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابن ماجہ ۱/۶۹ ح ۳۲۳)

(جاری)

☆☆☆

قربانی، اسلام اور اقوام ماضیہ

عبدالودود شمیم نیپالی رف ا
متعلم جامعہ سلفیہ، بنارس

عیدالاضحیٰ کی مشروعیت:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: "كان لأهل الجاهلية يومان فی كل سنة يلعبون فيهما فلما قدم النبی ﷺ المدينة قال كان لكم يومان تلعبون فيهما وقد أبدلكم الله بهما خيرا منهما يوم الفطر ويوم الأضحى" (۱) اہل جاہلیت کے لئے ہر سال میں دو دن ہوتے تھے، انہی میں وہ خوشیاں منایا کرتے تھے تو جب نبی کریم ﷺ مدینہ آئے تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے لئے دو دن تھے جس میں تم خوشیاں مناتے تھے اور اب اللہ نے ان دنوں کو ان سے بہتر دنوں سے بدل دیا ہے وہ ہیں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ عیدین کی مشروعیت ہجرت کے بعد ہی کسی سال ہوئی، چنانچہ اسی کی مزید وضاحت کرتے ہوئے علامہ عبیداللہ مبارکپوری فرماتے ہیں: "واتفقوا على أن أول عيد صلاة النبی ﷺ عيد الفطر فی السنة الثانية من الهجرة" تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ کی پہلی صلاۃ عید ۲ ھ میں عیدالفطر کی نماز ہے، پھر مزید فرماتے ہیں: "وقيل شرع عيد الأضحى أيضا فی السنة الثانية من الهجرة" اور یہ بھی کہا گیا کہ عیدالاضحیٰ بھی ۲ ھ میں مشروع ہوئی۔ (۲)، نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ولكل أمة جعلنا منسكا ليذكروا اسم الله على ما رزقهم من بهيمة الأنعام﴾ (۳) اور ہر امت کے لئے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تا کہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔ (جونا گڈھیؒ) حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "يخبر تعالى أنه لم يزل ذبح المناسك واراقة الدماء على اسم الله مشروعا فی جميع الملل" (۴) اللہ تعالیٰ اس آیت کے ذریعہ مطلع کر رہا ہے اللہ کے نام پر قربانی کرنا اور خون بہانا تمام امتوں میں مشروع رہا ہے، معلوم ہوا کہ جس طرح دوسری امتوں میں قربانی کی مشروعیت ثابت ہے اسی طرح امت محمدیہ کے لئے بھی مشروع ہے کیونکہ لفظ "أمة" کے عموم میں امت محمدیہ بھی شامل ہے۔

(۱) رواہ النسائی (۱۵۵۷) واحمد (۳۴۷۰) والبغوی فی شرح السنۃ (۱۰۹۸)
(۲) مرعاۃ المفاتیح لعبید اللہ مبارکپوری: ۲۱/۵-۲۲۔ (۳) الحج: ۳۴۔
(۴) تفسیر ابن کثیر: ۴۳۵/۴، م دار الکتاب العربی ۲۰۰۱ء۔

اسی طرح سے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کوذبح کرنے کے لئے چھری چلائی تو اللہ نے ایک مینڈھا بھیجا اور چھری اس پر چل گئی، اس بات کا تذکرہ اللہ تعالی یوں فرماتا ہے: ﴿فلما أسلما وتله للجبين وناديناه أن يا ابراهيم، قد صدقت الرؤيا، انا كذلك نجزى المحسنين، ان هذا لهو البلؤ المبين وفديناه بذبح عظيم وتركنا عليه فى الآخرين﴾ (۱) غرض جب دونوں مطیع ہوگئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرادیا تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچ کردکھایا، بیشک ہم نیکی کرنے والوں کوایسے ہی بدلہ دیتے ہیں، درحقیقت یہ کھلا امتحان تھااور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے دیااور ہم نے ان کا ذکر خیر پچھلوں میں باقی رکھا۔(جوناگڈھیؒ)

اسی طرح اللہ تعالی نے اپنے نبی کوقربانی کا حکم دے کراس کی مشروعیت، اہمیت اور فضیلت کو واضح فرمایا: ﴿فصل لربك وانحر﴾ (۲) پس تو اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر۔(جوناگڈھیؒ) احادیث نبویہ سے بھی قربانی کی مشروعیت اوراس کی اہمیت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "كان النبى ﷺ يضحى بكبشين وأنا أضحى بكبشين" (۳) نبی کریم ﷺ دومینڈھوں کی قربانی کرتے تھے اور میں بھی دومینڈھوں کی قربانی کرتا تھا، نبی کریم ﷺ نے اس کی مزید اہمیت وفضیلت جتلاتے ہوئے فرمایا: "ومن وجد سعة فلم يضح فلا يقربن مصلانا" (۴) جس کے پاس وسعت وطاقت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب ہرگز نہ آئے۔

نیز فرمایا: "يا أيها الناس ان على كل أهل بيت فى كل عام أضحية" (۵) کہ اے لوگو! ہر گھر والوں پر ہر سال قربانی کرنا ہے۔

ابن قدامہ نے فرمایا: "أجمع المسلمون على مشروعية الأضحية". (۶) تمام مسلمانوں کا عیدالاضحیٰ کی مشروعیت پر اجماع ہے۔

قبولیت قربانی کے شرائط

تمام اعمال اورعبادتوں میں چاہے وہ مالی ہوں یابدنی اخلاص نیت اوراطاعت رسول دونوں شرطیں ضروری ہیں، اگر یہ شرطیں مفقود ہوں گی تو اعمال وعبادات بھی قبولیت کا درجہ نہیں پائیں گے، جس عمل میں خلوص وللّٰہیت نہیں وہ اللہ کے دربار میں مقبول نہیں، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وما أمروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين﴾ (۷) اسی طرح اگر وہ عمل سنت رسول سے ہٹ کر ہے تو وہ نامقبول ہی نہیں بلکہ مردود ہے۔ "من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد" (۸) اور یہ عمل

(۱) الصافات:۱۰۳-۱۰۸۔ (۲) الکوثر:۲۔
(۳) رواہ البخاری (۵۵۵۳) (۴) رواہ ابن ماجہ (۳۱۲۳)، وصححہ الالبانی فی صحیح ابن ماجہ (۲۵۳۲)
(۵) رواہ ابوداود (۲۷۸۸) والترمذی (۱۵۱۸) (۶) المغنی لابن قدامۃ:۱۳/۳۶۰، ۱۹۹۲ء۔
(۷) البینۃ:۵۔ (۸) رواہ البخاری (۲۶۹۷) ومسلم (۱۷۱۸)۔

باعث ندامت وشرمندگی اور باعث عذاب جہنم ہے، اللہ کے رسول نے فرمایا: "وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة فى النار" (۱) بہرحال قربانی کے سلسلے میں ایک شرط اور بڑھ جاتی ہے کہ اس جانور کی خریداری، پرورش وپرداخت حلال کمائی سے ہو، اللہ کے رسول نے فرمایا: "الرجل يطيل السفر أشعث وأغبر ساعيا للحج والعمرة يمد يديه الى السماء يا رب يا رب ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغزى بالحرام فانىّٰ يستجاب لذلك" (۲) تو قربانی کی قبولیت کے لئے یہ تینوں شرائط از حد ضروری ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ قربانی کی مقصد کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿لن ينال الله لحومها ولا دماء ها ولكن يناله التقوى منكم﴾ (۳) اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ ان کے خون بلکہ اسے تو تمہارے دل کی پرہیزگاری پہنچتی ہے۔ (جونا گڈھیؒ)

قربانی اور اقوام ماضیہ

قربانی کی تاریخ بہت پرانی ہے اور یہ ہر امت وقوم میں جاری وساری رہی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہلے کی امتوں میں قربانی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ولكل أمة جعلنا منسكا ليذكروا اسم الله على ما رزقهم من بهيمة الأنعام﴾ (۴) اور ہر امت کے لئے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔ (جونا گڈھیؒ)

مولانا عبدالماجد دریابادی فرماتے ہیں کہ قربانی کا حکم کسی نہ کسی صورت ہر امت میں رہا ہے، یہ شریعت اسلامی کا کوئی نیا اور انوکھا قانون نہیں اور اہل کتاب کے میں تو قربانی مذہب کا اہم رکن ہے۔ (۵)

چنانچہ قربانی حضرت آدم علیہ السلام ہی کے دور سے چلا آرہا ہے، حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں قابیل اور ہابیل نے قربانی پیش کی، اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے: ﴿واتل عليهم نبأ ابنَى آدم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من أحدهما ولم يتقبل من الآخر قال لأقتلنك قال انما يتقبل الله من المتقين﴾ (۶) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر ابن عمر کے حوالہ سے یوں کرتے ہیں: "فقربا قربانهما فجاء صاحب الغنم بكبش أعين أقرن أبيض وصاحب الحرث بصبرة من الطعام فقبل الله بكبش فخزنه فى الجنة أربعين خريفا وهو الكبش الذى ذبحه ابراهيم" اسناده جيد۔ (۷) ان دونوں اپنی اپنی قربانیاں پیش کیں تو صاحب غنم نے ایک خوبصورت سفید سینگ دار مینڈھا اور کاشتکار نے اناج کا ایک ڈھیر پیش کیا تو اللہ نے مینڈھے کو قبول کرلیا، اسے اللہ نے چالیس سال تک جنت میں روکے رکھا، اسی کو حضرت ابراہیم نے ذبح کیا۔

(۱)
(۲) رواہ مسلم (۸۶۷) والنسائی (۱۵۷۴)
(۳) الحج: ۳۸۔
(۴) الحج: ۳۴۔
(۵) تفسیر ماجدی لدریابادی: ۳۶۶/۳۔
(۶) المائدہ: ۲۷۔
(۷) تفسیر ابن کثیر: ۵۱۸/۲، دارالکتاب العربی ۲۰۰۱ء۔

ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خواب شرمندۂ تعبیر کرتے ہوئے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کی قربانی پیش کی ،لیکن اللہ کی مرضی سے ایک مینڈھا حضرت اسماعیل کے بدلے ذبح کیا گیا، اللہ تعالی اس واقعہ کو یوں بیان فرماتا ہے:
﴿فلما أسلما وتله للجبين، وناديناه أن يا ابراهيم، قد صدقت الرؤيا انا كذلك نجزى المحسنين، ان هذا لهو البلؤ المبين، وفديناه بذبح عظيم، وتركنا عليه فى الآخرين﴾۔ (۱)

اسی طرح حضرت موسی علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کو بھی قربانی پیش کرنے کی دعوت دی گئی ، اللہ تعالی نے فرمایا:
﴿واذ قال موسى لقومه ان الله يأمركم أن تذبحوا بقرة﴾ (۲) اور جب حضرت موسی علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالی تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ (جونا گڈھی ؒ)

مولانا عبدالماجد دریابادی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''توریت میں بنی اسرائیلیوں کو گائے کے ذبح کا حکم خاص خاص شرطوں اور قیدوں کے ساتھ بار بار ملا ہے۔

مثلا: بنی اسرائیل کو کہا کہ ایک لال گائے جو بے داغ و بے عیب ہو اور جس پر کبھی جوا نہ رکھا گیا ہو تجھ پاس لائیں تم اسے الیعز زکاہن کو دو کہ اسے خیمہ گاہ سے باہر لے جائے اور وہ اس کے حضور ذبح کی جائے۔ (گنتی :۱۹: ۲) جو شہر مقتول سے زیادہ نزدیک ہے اس شہر کے بزرگ سے ایک بچھیا لیں جس سے ہنوز کوئی خدمت نہ لی گئی ہو اور جوے تلے نہ آئی ہو اور اس شہر کے بزرگ اس بچھیا کو ایک بیہڑ وادی میں جو نہ جوتی گئی ہو نہ اس میں کچھ بویا گیا ہو لے جائیں اور اس وادی میں اس بچھیا کی گردن کاٹیں۔ (استثنا - ۲۱: ۳ و ۴) (۳)

پھر کفار مکہ کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو وہاں بھی قربانی کا ثبوت ملتا ہے، چنانچہ چشمۂ زمزم کی کھدائی کے وقت عبدالمطلب نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ نے انہیں دس بیٹے عطا کئے اور وہ حفاظت کرنے کی عمر کو پہنچ جائیں تو ایک لڑکے کو اللہ کے راستے میں قربانی کردیں گے، چنانچہ جب بیٹوں میں قرعہ اندازی کی گئی تو سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ کا نام نکلا ، عبدالمطلب عبداللہ کو لے کر خانۂ کعبہ کی طرف روانہ ہوئے لیکن بنو مخزوم اور بعض اہل خانہ کے منع کرنے سے باز آ گئے اور ایک عرافہ کے مشورہ سے عبداللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کی ، چنانچہ ہر قرعہ عبداللہ کے نام نکلا، اسی طرح قرعہ اندازی کرتے جاتے اور دس دس اونٹ بڑھتے جاتے جب سو اونٹ مکمل ہوگئے تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا، عبدالمطلب نے انہیں سو اونٹوں کو قربان کیا۔ (مزید تفصیلات کے لئے سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کریں) اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "أنا ابن الذبيحين" (۴) میں دو ذبیح عبداللہ اور حضرت اسماعیل کا بیٹا ہوں۔

☆☆☆

(۱) الصافات: ۱۰۳-۱۰۸۔ (۲) البقرۃ: ۶۷۔ (۳) تفسیر ماجدی لدریابادی: ۱/۱۵۹۔
(۴) سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (۳۱۵)، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۹، فتح الباری: ۱۲/۳۷۸، تہذیب تاریخ دمشق لابن عساکر: ۲/۱۵۰۔

جماعت اہل حدیث کا ایک گمنام مجاہد
یعنی
حضرت مولانا عبداللہ صاحب عرف جھاؤمیاں کی مختصر سوانح حیات

از: حکیم رشادالاسلام بن حکیم ضیاءالدین ضیاؔ رحمہ اللہ
(سابق پرنسپل اسٹیٹ یونانی میڈیکل کالج لکھنؤ)

ابتدائے آفرینش سے اب تک اس طریقہ پر عمل ہورہا ہے کہ ہر مذہب وملت کا پیرو اپنے ہیرو (قائد) کے علم وفضل، اخلاق واطوار، تدبر وتفکر اور متانت وذہانت غرض کہ اس کی زندگی کے ہر شعبہ سے عوام الناس کو روشناس کرائے تا کہ اس کے مذہب کی برتری وافضلیت کا جائزہ ہر قوم بآسانی لے سکے اور اس میں اس مصلح کے حالات زندگی زیادہ سے زیادہ مدد پہنچا سکیں۔ بریں بنا آج میں اپنے ایک پیشوا کے کیریکٹر کو ناظرین کے سامنے پیش کرنے کا غیر معمولی شرف حاصل کر رہا ہوں، اگر وقت نے مساعدت کی تو کبھی مفصل سوانح عمری، کتابی صورت میں پیش کی جائے گی، ان شاءاللہ۔ بے بضاعتی اور فقدان شعور مجھے اس کی اجازت نہیں دیتے، تاہم تائید ربانی سے امیدوار ہوکر قلم اٹھاتا ہوں یہ مسلم ہے کہ دنیا اس شخص کو بدترین انسانوں کے صف اول میں جگہ دیتی ہے جو اپنے قائد کے حالات کو کذب کی چاشنی میں پیش کرتا ہے اور اس کے ردائے عیاری کو تار تار کر کے رکھ دیتی ہے۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد میں اب میں مضمون کو شروع کرتا ہوں۔

آپ کا نام ووطن:

آپ کا نام عبداللہ اور عرفیت جھاؤمیاں تھی اور یہ عرفیت اس قدر مشہور ہوچکی تھی کہ اکثر لوگ اسی نام سے یاد کیا کرتے تھے، اور عقیدت منداحباب اسی نام کو زبان سے ادا کر کے شیر وشکر کا لطف حاصل کرتے تھے۔ موصوف ایک تاریخی شان رکھنے والے قصبہ مئو آئمہ کے رہنے والے تھے، یہ قصبہ شہرالہ آباد کے شمالی جانب بائیس میل کی دوری مسافت پر واقع ہے جو کبھی ''قاضی طیب کا مئو'' کے نام سے بھی موسوم ہو چکا ہے، اس وقت یہ قصبہ نہایت مزین اور بارونق تھا، جس کی خبر اس کی بعض منہدم شدہ عمارتیں اور سن رسیدہ بزرگ دیتے ہیں، لیکن اب بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ضلع کے تمام قصبات میں امتیازی شان کا حامل ہے، اس قصبہ میں تعلیم جدید (انگریزی) کے افراد بکثرت موجود ہیں، نیز عربی داں حضرات سے بھی خالی نہیں ہے،

یہاں کے لوگ حکومت برطانیہ کے بڑے بڑے عہدے پر فائز ہیں۔ مالیگاؤں، دھولیا، بمبئی، گجرات میں بھی اس قصبہ کے تجار تجارت کرتے ہیں، یہاں ایک خاص قسم کا کپڑا تیار ہوتا ہے جسے ''کھنڈ'' کہتے ہیں اور وہ انہی شہروں میں فروخت ہوتا ہے، نیز وہاں کی آب وہوا بہت خوشگوار ہے۔

آپ کے والد ماجد کے حالات:

آپ کے والد ماجد کپتان تھے اور وقت کے بڑے بڑے زمین داروں میں شمار کئے جاتے تھے، آپ نہایت ہی فیاض اور سخی طبیعت کے انسان تھے، نہایت ہی خوش اخلاق اور وسیع النظر تھے جس کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ قصبہ کا ہر خورد وکلاں آپ کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔

وجہ تعلیم:

کہا جاتا ہے کہ آپ کی عمر تقریبا ۱۸ سال ہوچکی تھی کہ ایک مولوی صاحب سے جو آپ کے محلّہ میں رہتے تھے کسی مسئلہ پر بحث ہوئی تو مولوی صاحب نے تعریفا فرمایا کہ ابھی جاکر پڑھو پھر مجھ سے گفتگو کرنا، قدرت خداوندی اس عالم دین کے تکبرانہ الفاظ پر ان کے چہرے پر تبسم تھا اور خاموش لفظوں میں کہہ رہے تھے کہ اے شخص تو یہ نہ سمجھ کہ یہ یوں ہی رہے گا بلکہ تجھ سے کہیں زیادہ دین کی خدمت کرے گا اور لاکھوں ہزاروں انسانوں کو روحانیت کا درس دے گا اور آسمانی علم وعمل پر درخشندہ آفتاب بن کر چمکے گا۔ آپ نے اپنے والد صاحب سے تعلیم حاصل کرنے کی اجازت لی، چونکہ اس وقت ریل کی سواری نہ تھی، اس لئے آپ کے والد نے ایک گھوڑا اور ایک ملازم دے کر آپ کو دہلی جانے کے لئے رخصت کردیا، دہلی میں اس زمانے میں شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کا چراغ گل نہ ہوا تھا، حضرت شاہ اسحاق کی ذات گرامی سے فیضان علم کا چشمہ جاری تھا، آپ انہی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہوئے مسلسل آٹھ سال نہایت ہی انہماک سے اس یکتائے زماں کے چشمۂ علم سے سیراب ہوتے رہے، یہی زمانہ حضرت شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی کے بھی تحصیل علم کا تھا، چنانچہ دونوں بزرگ شاہ صاحب سے تکمیل علوم دینی کرتے ہیں اور اپنی راسخ الاعتقادی قوت عمل، ٹھوس تعلیم کی وجہ سے تمام شاگردوں میں امتیازی رتبہ حاصل کرتے ہیں۔

مراجعت وطن:

جب آپ کی تعلیم ختم ہوگئی تو استاد سے اجازت لے کر وطن واپس آئے، آپ فرماتے تھے کہ میں نے شہر دہلی مکان سے جاتے اور آنے کے وقت ہی دیکھی، بالائے حیرت ہے کہ بے خودی شوق میں سوائے مصروف کتب رہنے کے سیر تک کرنا بھی پسند نہیں کیا، وطن واپس آکر مع اہل وعیال گھر سے اس بنا پر علیحدہ ہوگئے کہ زمینداری میں روپیہ نا معلوم کن کن صورتوں سے آتا ہے۔

ذریعۂ معاش:

اس زمانے میں پریس نہیں تھا اور اس قصبہ میں اس وقت فارسی تعلیم کا رواج حد سے زیادہ تھا، بڑے بڑے فضلائے فارسی موجود تھے چونکہ فارسی کی تعلیم بہت زیادہ رائج تھی، اس لئے آپ نے اقتضائے وقت کے مطابق گلستان و بوستان کو لکھ کر فروخت کرنا اپنا ذریعۂ معاش بنایا، اسی زمانے میں میرے بزرگ خاندان حکیم عبدالواحد صاحب جن کی عمر اس وقت ۸۰ سال سے بھی تجاوز کر چکی تھی فرماتے ہیں کہ آپ کو فن کتابت میں اس قدر ملکہ تھا کہ ایک رات میں پوری گلستان لکھ ڈالتے تھے، میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس کو انتہائی مبالغہ پر محمول کریں گے مگر میرے خیال میں کسی زود نوشت اور مشاق کاتب کے لئے ایسا ہونا کسی حیرت واستعجاب کو جگہ نہیں دیتا، آپ نہایت درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے، آپ کی معاشرت تمام تکلفات سے معری تھی، حتی کہ غذا کی یہ کیفیت تھی کہ ہمارے اطراف میں گھاس اتبھری جو کہ اکثر بارش کے ایام میں اگتی ہے لاتے اور نمک وغیرہ ملا کر بھون کر کھالیا کرتے تھے اور بچوں کو صبر وقناعت کی تعلیم دیتے تھے۔

تقوی کی حالت:

اگر چہ حدیث اذا داعاك أخوك فأجب کے مطابق چاہئے تو یہ تھا کہ کسی کی دعوت پر لبیک کہا جائے مگر تقوی کا یہ عالم تھا کہ جب تک آپ یہ نہ دریافت فرمالیں کہ اس شخص کا ذریعہ معاش کیا ہے اور دعوت کیوں دی گئی ہرگز نہ قبول فرماتے، بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ راست پر لانا اور گمراہ لوگوں کو سچائی کی طرف لانے کی ہمیشہ کوشش رہی، تالیف وتصنیف کے ذریعہ بھی آپ نے دین کی جو خدمات کی وہ قابل ستائش ہیں، اگر چہ آپ کی متعدد تصنیفات لائق تدریس ہیں مگر سوائے ''اعتصاء السنۃ'' کے دوسری کتابیں نایاب ہو چکی ہیں، ہوسکتا ہے کہ بعض کتابیں کہیں موجود ہوں۔

اولاد ومکان:

مئو آئمہ میں آپ کی اولاد نرینہ کوئی نہیں، ہاں کچھ لڑکی کی اولادیں موجود ہیں، رہائش کا مکان اور وہ مدرسہ جس میں تعلیم دیتے تھے ابھی تک موجود ہے، جسے دیکھ کر ہماری آنکھیں آرزومند ہیں کہ کاش ہم بھی اسی مسکن ہدایت اور منبع علم سے فیضیاب ہوتے۔

☆☆☆

ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ کا انتخاب جدید

مورخہ ۲۲ رشوال ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۳ راکتوبر ۲۰۰۸ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء انجمن ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ کا انتخاب جدید جامعہ سلفیہ کی عالیشان مسجد میں زیر صدارت فضیلۃ الشیخ جناب مولانا محمد یونس صاحب مدنی حفظہ اللہ شیخ الجامعہ اور دیگر اساتذۂ کرام کی موجودگی میں عمل میں آیا، اتفاق رائے سے درج ذیل عہدیداران اور اراکین منتخب ہوئے۔

شمیم احمد محمد ابراہیم ف۳	صدر	محمد شبلی علی حسن ف۳	نائب صدر
خالد اشرف عبدالواحد ف۲	ناظم	نور عالم محمد ابراہیم ف۳	نائب ناظم
عزیر احمد عبدالرشید ف۲	مدیر المنار	منت اللہ شمس الحق ف۲	نائب مدیر
عبدالرحمٰن محمد یونس ف۲	خازن	محمد عمران محمد اسماعیل ف۳	محاسب
مصلح الدین محبّ اللہ ف۳	امین لجنۃ الثقافۃ	عبیداللہ عبدالمبین ف۳	نائب امین لجنۃ الثقافۃ

اس کے علاوہ حفلۃ الخطابۃ کے امین کی تعیین میں چار طلبہ شعبہ عربی سے اور چار طلبہ شعبۂ اردو سے شامل ہوئے اور ہر ایک امین کے ساتھ ایک ایک ان کے نائب مقرر ہوئے۔

شعبۂ عربی کے امین الخطابۃ	شعبۂ اردو کے امین الخطابۃ
سراج الدین معین الدین ف۲	عبدالرشید محمد حسین ف۱
عبدالواحد محمد لقمان ف۲	خیر الاسلام بحر الحق ف۱
عزیر احمد انور علی ف۱	عبدالودود محمد شمیم ف۱
عزیز الرحمٰن مجیب الرحمٰن ف۲	اسامہ احمد صغیر احمد ف۲

علاوہ ازیں امین دارالکتب کے منصب پر وسیم اکرم ف۲، محمد زبیر عالم ف۱ نائب امین دارالکتب اور پانچ طلبہ پر مشتمل رکن دارالکتب مقرر ہوئے، اور امین دارالاخبار کی ذمہ داری کے لئے عبدالرحمٰن ف۳ اور اس کی نیابت شفیق عالم ف۲ کو سونپی گئی اور پانچ طلبہ پر مشتمل رکن دارالاخبار کی تعیین ہوئی اور امین البرید کے لئے عبدالشکور ف۲ و رکن ندوہ کے لئے بدر عالم ع۱ کا انتخاب ہوا۔

☆☆☆

پناہ ڈھونڈو عذابوں سے بھر گئی دنیا

سالکؔ بستوی

ہر ایک راہ سے یوں تو گذر گئی دنیا
ہمارے کوچے سے گذری تو ڈر گئی دنیا

زمانہ ساز ہیں دانشوران عالم بھی
ہمیں تو مفت میں بدنام کرگئی دنیا

مہیب چہرے ہیں ناآشنائے لطف وکرم
پناہ ڈھونڈو عذابوں سے بھر گئی دنیا

ظہور حشر سے کمتر نہ ہوگا وہ دن بھی
مری نگاہ سے گر کر گذر گئی دنیا

یہی سبب ہے مرے بے نیاز جینے کا
سنو کہ میرے لئے کب کی مرگئی دنیا

اس آب وخاک میں کچھ بھی نہ دلکشی ہوتی
مرے وجود سے کتنی سنور گئی دنیا

تھا اتنا حسن کہاں بزم ناز میں سالکؔ
مری غزل کے فسوں سے نکھر گئی دنیا

☆☆☆

باب الفتاوی

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ:

(۱) اونٹ وگائے کے حصوں میں سے ایک حصہ کیا پورے گھر کی طرف سے کافی ہوگا؟

(۲) قربانی اور ہدی میں کیا فرق ہے؟

(۳) قربانی کی نیت کرنے والے کے لئے بال ناخن کٹوانا کیسا ہے؟

قرآن وسنت کی رو سے جواب دیں۔ والسلام

الجواب بعون اللہ الوہاب:

(۱) اونٹ وگائے کے حصوں میں سے ایک حصہ ایک آدمی اوراس کے ساتھ جوائنٹ فیملی میں رہنے والے تمام افراد کی طرف سے کافی مانا جائے گا، اللہ کی طرف سے امت مسلمہ پر بہت بڑا احسان وکرم ہے کہ جو شخص پورے ایک جانور کی قربانی کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا وہ اگر اپنے اور اپنے اہل بیت کی طرف سے اونٹ وگائے کا ایک حصہ کی قربانی کردے تو وہ اللہ کے نزدیک سب کی جانب سے قربانی مانی جائے گی۔

اسی طرح کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مفتیان سعودیہ عربیہ تحریر فرماتے ہیں، قارئین کے استفادہ کی خاطر سوال وجواب دونوں نقل کردینا مناسب سمجھتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں: السوال: هل للمسلم أن يضحی بسبع بعير أو سبع بقرة، ويشرك فی الثواب من شاء من والديه وأولاده وأقاربه ومعلميه وغيرهم من المسلمين، أم أن السبع يكون لواحد فقط لا يشرك معه فی الثواب غيره"؟

الجواب: السنة أن كلا من البدنة والبقرة تجزیء عن سبعة، وأن سبع كل منهما يجزیء عن الواحد وعن أهل بيته۔ (فتاوی اللجنۃ الدائمۃ ج ۱۱ ص ۴۰۵) یعنی سنت سے یہ ثابت ہے کہ اونٹ وگائے دونوں سات افراد کی طرف سے کافی ہیں اوران دونوں کا ساتواں حصہ ایک آدمی اوراس کے پورے گھر والوں کی طرف سے کافی ہوگا۔

(۲) قربانی اور ہدی میں فرق یہ ہے کہ تمتع اور قران کی ہدی واجبات حج میں سے ہے، کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فمن تمتع بالعمرة الى الحج فما استيسر من الهدى﴾ (البقرة:۱۹۶) یعنی جو شخص عمرے سے لے کر حج تک تمتع کرے، پس اسے جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالے۔ (ترجمہ مولانا محمد جونا گڈھیؒ) جب کہ قربانی صحیح قول کے مطابق واجب نہیں ہے، کیونکہ کوئی ایسی صحیح اور صریح نص موجود نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ قربانی واجب ہے۔

ہدی و قربانی میں ایک دوسرا فرق یہ ہے کہ ہدی منی اور بقیہ حرم میں ذبح کرنا مشروع ہے جبکہ قربانی ہر جگہ ذبح کی جا سکتی ہے، باقی احکام دونوں میں یکساں ہیں، مثلا: ذبح کرنے کا وقت، مطلوبہ شرائط، گوشت کھانے اور صدقہ کرنے وغیرہ کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(۳) جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ ماہ ذی الحجہ کے آغاز سے لیکر قربانی کرنے تک بال اور ناخن نہ کٹوائے، کیونکہ اس حدیث پاک میں اس کی ممانعت آئی ہے جسے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ام سلمہؓ سے روایت کیا ہے کہ "عن أم سلمة أن النبی ﷺ قال: إذا دخلت العشر وأراد أحدكم أن يضحي فلا يمس من شعره وبشره شيئا" (صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب نهی من دخل عليه عشر ذی الحجة ......الخ (حدیث نمبر ۱۹۷۷)، ایک دوسری روایت جو کہ حضرت ام سلمہؓ ہی سے مروی ہے، آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اذا رأيتم هلال ذی الحجة وأراد أحدكم أن يضحي فليمسك عن شعره وأظفاره۔ (صحیح مسلم ح ۱۹۷۷) یعنی جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔

کوئی قربانی کا ارادہ رکھنے والا شخص اگر بھول کر یا جہالت کی وجہ سے بال یا ناخن کاٹ لے تو اس پر کوئی کفارہ وغیرہ نہیں کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالی نے اس طرح اور دیگر امور میں خطا و نسیان کو معاف فرما دیا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس حکم کی مخالفت کرتے ہوئے بال یا ناخن کاٹ لے تو وہ اللہ سبحانہ وتعالی کے دربار میں خالص توبہ کریں کیونکہ اس نے حکم رسول ﷺ کی مخالفت کی ہے، پھر بھی اس پر کوئی فدیہ یا کفارہ وغیرہ نہیں ہے، اگرچہ اس نے جان بوجھ کر ہی ایسا کیا ہو۔

ہذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب وعلمہ أتم وأحکم
حررہ: ابوعفان نور الہدی عین الحق سلفی مالدہی
جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس

الجواب صحیح
محمد رئیس ندوی
جامعہ سلفیہ بنارس

☆☆☆